آسیہ رزاقی

کہیں گھٹا چھانا

"خالاؤ! بہنو! بھابیو! دنیا مصیبت تم سے ہے۔"

"گو گھر کی رونق ہو تم ہی۔
پر میری شامت تم سے ہے۔"

بڑا سا شاپر ہاتھ میں لٹکائے برآمدے کے تخت پر پٹختے ہوئے منصور گنگنایا۔ لیکن یہ گنگنانا ایسا ہی تھا۔ کہ سارا گھر گونج اٹھا۔ کچن میں کھڑی اماں۔ زینے کی

مکمل ناول



نچلی سیڑھی پر کھڑی روابہ۔ کمرے میں بھابھی اور باتھ روم میں بڑبڑ کپڑے دھوتی خالہ، سب نے یہ فریاد سن لی تھی۔ وہ دھم سے تخت پر گرا اور جب پیچھے سے کان اوپر کی طرف کھینچا گیا۔ وہ اس کے ساتھ ہی اٹھتا چلا گیا۔ چہرے پر تکلیف کے آثار، منہ کھلا کا کھلا، آنکھیں پھٹی کی پھٹی۔

"ہوں، خالہ مصیبت ہے تمہارے لیے۔" خالہ کی بھنچی ہوئی آواز اس نے سنی۔

"نہیں، نہیں۔ میں نے خالہ تو نہیں کہا، خالاؤ کہا ہے۔ آپ کے خیال میں یہ کوئی لفظ ہے؟"

"اچھا تو پھر کیا ہے؟" خالہ کان چھوڑیں تو بیچارا کچھ بولے۔

"یہ محض تصوراتی ہیولہ...... کان چھوڑیں۔ جڑ سے اکھڑ گیا تو لوگ صبح شکل دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔ کن کٹا کہیں گے اور کن کٹے کی خالہ کہلانا آپ شاید پسند نہ کریں۔"

"اچھا باتوں میں مت اڑاؤ، مجھے بتاؤ خالاؤ کیا ہے۔" کان چھوڑ دیا گیا۔

"یہ ہے خالاؤ، لاؤ۔" کان سہلاتے ہوئے برے برے منہ بناتا ہوا منصور تشریح پر مجبور ہو گیا۔ ورنہ دوسرا کان بھی لمبا ہو جاتا "بلاؤ، آؤ جاؤ کھاؤ، خاؤ خاؤ۔"

"کیا؟ اب تم مجھے ڈرا بھی رہے ہو۔ خاؤ خاؤ کر کے کھا جاؤ گے کچا؟ یا بلا ہوں میں...؟" خالہ میں ایک بڑی خامی تھی۔ نتیجہ اخذ کرنے میں جلد بازی سے کام لیتی تھیں۔ وہ کان مسلتا ہوا اور حفظ ماتقدم کے طور پر دوسرے کان کو ہتھیلی سے چھپا کر تخت پر جم کر بیٹھ گیا۔

بھابھی نے کمرے سے قدم نکالے۔ چہرے پر دنیا بھر کی مظلومیت طاری کرلی۔ بھرے گلے سے بولیں۔

"ہاں تو مصیبت تو میں ہوئی ناں۔ ساری شامت میری وجہ سے ہے۔ کام جو میں کرواتی ہوں تم سے۔ منہ کیا کرو پھر۔ مرنے دو یونہی ترستا ہوا ایک ایک چیز کو۔ میرے میاں کو ذرا سا میرا خیال ہوتا۔ تو آج میں اتنی باتیں کیوں سنتی؟"

"باتیں؟" منصور نے حیرت سے مڑ کر خالہ کو دیکھا۔ "میں نے تو بات نہیں کی کسی سے بھی' باتیں کیا معنی؟ میں تو ابھی خالہ کو ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ کی باری تو ابھی آئی ہی نہیں۔ یہ لیجیے آپ کے دوپٹے' کلیس' سینڈل بھی بدل لایا ہوں۔" بھابھی نے شاپر اس کے ہاتھ سے کھینچا اور کمرے میں گھس گئیں۔

"شام ہونے دو بھائی! اس شعر کی قدر قیمت بھائی جان کے آنے پر وصول کرنا۔" روداب اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ منصور نے آنکھیں نچائیں۔ پھر آہ بھر کر کہا۔

"پروا ہی نہیں۔ پٹھے مضبوط ہیں۔ مگر بھوک پیاس' ہائے ایک گلاس پانی ہی پلا دو۔ تمہارا سوٹ بھی آگیا ہے اور چپل بھی' سارا بازار گھوم کر تلاش کرکے لایا ہوں۔ دادنہ دو' چائے دے دو۔"

"خالہ سے کہو' ان ہی کی چیزیں زیادہ ہیں۔" وہ سیڑھی پر جا کر بیٹھ گئی۔

اوہو! شاید یہ شعر کا ردِ عمل ہے۔ مگر ماں پیاری ماں۔"

حالانکہ اماں کی تو کوئی چیز وہ لایا بھی نہیں تھا۔ مگر وہ پانی' چائے اور ساتھ میں رول بھی لے آئی تھیں اور بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کھلا رہی تھیں اور ادھر روداب جل جل کر کوئلہ ہوئے جا رہی تھی۔ اس کی عادت ہی کڑھتے رہنے کی تھی اور ساتھ ہی وہ دوپٹے کا کونا بھی دانتوں سے کترتی رہتی تھی۔ یہ اس کی خاص ادا تھی۔ جب وہ زیادہ چڑتا تو بے اختیار دوپٹے کا کونا منہ میں ڈال لیتی۔ اس وقت کچھ زیادہ ہی جوش سے یہ عمل انجام دے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں باآسانی دیکھی جا سکتی تھیں۔ منصور کو مگر اس کے غصے کی پروا نہ تھی۔ وہ اماں کے ہاتھ سے سو نخروں کے ساتھ رول کھا رہا تھا۔ ساتھ ہی لطف کے اظہار میں گردن بھی ہلا رہا تھا۔ روداب کے غصے کی وجہ یہ رول تھے جو منصور کے دانتوں تلے تھے۔ اماں نے اسے ایک ہی رول دیا تھا۔ مانگنے پر بھی دوسرا نہیں دیا اور منصور کو دو کھلا دیے۔ وہ بھی اصرار کے ساتھ۔

آخر منصور بھائی میں ایسی کون سی خصوصیت تھی۔ جو خود اس میں نہیں تھی یہ سوال اکثر ذہن کو پریشان کرتا کہ اماں منصور بھائی پر ہی اس قدر مہربان کیوں ہیں۔ بھائی جان بڑے ہیں۔ اصل میں ان کو اہمیت ملنی چاہیے تھی۔ یا پھر میں سب سے چھوٹی ہوں اور اکلوتی ہوں۔ میرا سارا حق منصور بھائی کو کیوں مل جاتا ہے۔ خالہ دھلے کپڑوں کی بالٹی لیے اس کے پاس آئیں۔ اسے دوپٹہ چباتا دیکھ کر بھنا گئیں۔

"بس؟! اتنا سا کونا؟ نہ میری بچی! پورا دوپٹہ تو چباؤ۔ شاباش شاباش۔" روداب نے دوپٹہ منہ سے نکالا۔ سیڑھی پر غصہ تھوکا۔ منہ پھلا کر اوپر جانے لگی۔ خالہ نے ڈپٹ کر کہا۔

"شہو' کپڑے اوپر لے جا کر پھیلا کر آؤ۔ بدتمیز لڑکی۔" خالہ تکلف تو جانتی نہ تھیں۔ انہیں کسی کے غصے کی پروا نہ تھی۔ روداب نے بالٹی ان کے ہاتھ سے چھینی اور دھڑ دھڑ کرتی اوپر چڑھ گئی۔

بھائی جان نے محض بیگم کی تالیف قلب کے لیے اسے بلا لیا تھا۔ وہ جانتے تھے۔ ان خواتین کی مرضی کے مطابق وہ خود شاپنگ نہیں کر سکتے نہ ان کے ساتھ جانے کا ان کے پاس ٹائم تھا۔ مگر چونکہ بیگم منہ پھلائے غبارہ بنی بیٹھی تھیں۔ منصور کو ڈانٹنا۔ تنبیہہ کرنا' تمیز سکھانا اور بھابھی کے رشتے کی اہمیت کا احساس دلانا ضروری تھا۔

منصور دنیا بھر کی مسکینی سجا چہرہ لیے کھڑا تھا۔ "اب میں جاؤں؟" اس نے بھائی جان کے لیکچر کے خاتمے پر بےزاری کا مظاہرہ کیا۔

"ہاں' اب جاؤ۔" بھائی جان کا اشارہ پاتے ہی وہ گنگناتا ہوا بالوں میں ہاتھ چلاتا واپسی کے لیے مڑا۔

"خالاؤ' بہنو' بھابیو!"

"ہوں' ہوں' ہوں۔" بھابھی نے فوراً "میاں کو ہوشیار کیا۔ "سن لیں' سن لیا؟"

بھائی نے فوراً "للکارا۔ "اِدھر آؤ۔ کیا گا رہے تھے' سناؤ۔" وہ ترت پلٹ کر آیا۔

"اے ماؤ' بہنو' بھابیو' دنیا کی عزت تم سے ہے۔ حالی کا شعر کیا آپ نے نہیں پڑھا؟" بڑا حیران سا تھا۔

"مگر اس میں بھابیو نہیں بیٹیو ہے۔" بھائی جان نے یاد دلایا۔

"مگر بیٹی ہے کہاں؟" وہ ادھر ادھر کچھ تلاش کرتا ہوا نظریں گھما رہا تھا۔ بھائی کو ہنسی آگئی۔ انہوں نے اسے جانے کا اشارا کیا۔ وہ باہر نکل گیا۔ دروازے پر روداب سن گن لینے کے لیے کھڑی تھی تاکہ بعد میں اسے ستائے۔

"خالاؤ' بہنو بھابیو دنیا مصیبت تم سے ہے۔ گو گھر کی رونق ہو تم ہی پر میری شامت تم سے ہے۔"

وہ آزادی سے گاتا۔ روداب کو چڑاتا آگے بڑھ گیا۔ روداب بھنا کر چل دی۔ اندر بھابھی نے میاں کو اکسایا۔ وہ مسکرا رہے تھے بولے۔

"یار ہنسنے ہنسانے دو اسے۔ کبھی مذاق انجوائے بھی کر لیا کرو۔ ہر وقت اعتراض نہیں کرتے۔ یہی عمر ہے اس کی ہنسنے ہنسانے کی۔ رہنے دو اسے فکروں سے بے نیاز۔"

"بس میں ہی انجوائے کروں فضول مذاق۔ فالتو میں ہی ہوں۔" اندر سے اٹھا پٹخ کی آوازوں کے ساتھ بڑبڑاہٹ عروج پر تھی۔ یہی کر سکتی تھیں وہ چڑ کر سو کر رہ گئی تھیں۔

منصور نے صحن میں کرسیاں رکھیں۔ اماں کو کرسی پر آرام نہ آتا تھا۔ ان کے لیے پلنگ باہر نکالا۔ گو کہ روز ہی پلنگ باہر نکالا جاتا۔ روز ہی بھابھی کو اعتراض ہوتا۔ انہیں وہ پلنگ' خلاف تہذیب لگا کرتا۔ مگر اماں کی خاطر وہ ان کا اعتراض ٹال جاتا۔ مگر آج وہ کچھ زیادہ ہی خفا تھیں۔

"اچھا پھر آپ بتا دیں کہ کیا بدتہذیبی ہے یا گھٹیا پن ہے؟" اسے یہ روز کا سبق یاد تھا پھر بھی پوچھ لیا۔

"کوئی مہمان آ ہی جاتا ہے۔ کرسیوں کے بیچ میں دقیانوسی مظاہرے اس پر یہ دو صدی پرانا کھیس' زہر لگتا ہے مجھے۔"

"ادھر ادھر کے مہمانوں کی خاطر اپنے گھر میں اپنی مرضی سے نہ رہیں۔ اماں تکلیف اٹھائیں۔ یا پھر تا دیں کہ مہمانوں کو پلنگ کیا تکلیف دیتا ہے۔ چبھتا ہے۔ نوچتا ہے۔ یا گھائل کرتا ہے۔" بھائی کے سامنے وہ کھل کر بول لیتا تھا۔

"بس مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اولڈ فیشن اوپر سے دقیانوسی بستر نکلوا سے۔" وہ ناک چڑھا کر بےزاری کا اظہار کر گئیں۔

منصور مسکرایا۔ بھائی سے کہا۔ "ویسے بھابھی کے خیالات غیر ملکیوں سے کتنے ملتے ہیں۔ وہ لوگ اولڈ ایج والوں کو برداشت نہیں کرتے نکال دیتے ہیں۔"

اتفاق سے اسی وقت بھابھی کی عزیز سہیلی آن وارد ہوئیں۔ مہمان۔ وہ پلنگ پر بچھے کھیس پر نظر پڑتے ہی چیخ مار کر اس طرف لپکیں۔ اماں اسی وقت آ کر لیٹی تھیں۔ ڈر کر اٹھ بیٹھیں۔

"ہائے شمو اتنا پیارا کھیس کہاں سے منگایا؟۔ ایمان سے مجھے کب سے تلاش تھی۔ جب سے آنٹی نفیس درجن بھر کھیس لے کر امریکہ گئی ہیں۔ میں تڑپ رہی تھی۔ تمہیں تو پتا ہے نفیس آنٹی بھی صحیح پتا نہیں بتاتیں۔ وہ تو املیس کی ترکیب بھی درست نہیں بتاتیں۔ نہ راستہ' نہ دکان' میں تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی' ہائے۔" انہوں نے سکون کا لمبا سانس کھینچا جیسے تلاش بار آور ہو گئی ہو اور کھیس پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ "بہت ہی پیارا ہے' نرم' ملائم۔"

"مگر بیٹی! یہ بہت پرانا ہے۔" اماں نے معذرتی انداز میں کہا۔

"اور بھابھی کو ناپسند ہے' ابھی کہہ رہی تھیں۔ اسے نکال کر پھینکو۔" منصور نے اطلاع دی۔

"ہائے نہیں شمو! اب تو ان پرانے فیشن کی چیزوں کی اتنی مانگ ہے۔ قدر کرنا چاہیے۔ خالہ جی! کہاں سے ملیں گے کھیس؟"

"بیٹی! ہر کپڑے کی دکان پر۔ خاص طور پر چادروں کی دکان پر کھڈی کے کھیس۔"

بھابھی برے برے منہ بناتی رہیں۔ انہیں اپنی دوست کا شوق اور بے قراری ذرا پسند نہیں آرہی تھی۔ جس چیز کو وہ حقیر سمجھیں۔ کوئی اسے عزت دے۔ بھلا یہ عقل کی بات ہے۔ بہت انا پرست تھیں۔ چاہتی تھیں کہ ان کی پسند کو اوّل درجہ دیا جائے۔ اور وہ خود سب پر راج کریں۔ مگر وہ کوئی ایسا عمل کرتی نہ تھیں۔ اپنے کمرے کی حد تک ہی راج کرتی تھیں۔ میاں کے من سنگھاسن پر بیٹھی تو تھیں۔ مگر فخر نہیں کرسکتی تھیں کہ میاں بھی اسی گھر کے فرد تھے۔ جب تک خوش ہیں۔ سیدھے ہیں۔ جوں ہی خود پر کوئی چھینٹ آتی۔ انہیں تخت دل سے اتار کر ناراضی کے تختہ دار پر لٹکا دیتے۔

وہ سوچا کرتیں۔ یہ گھر میرے لائق نہیں تھا۔ ابو کو پتا نہیں کیا نظر آیا۔ امی بھی خوش تھیں کہ اتنا اعلا رشتہ ملا۔ مگر اب مسلسل بیٹی کی شکایتوں پر یہ کہنے لگی تھیں کہ ان سے سمجھنے میں غلطی ہوگئی۔ بیٹی کے لیے رشتہ تلاش کرتے وقت صرف لڑکا ہی نہیں خاندان کے لوگوں کی بھی چھان پھٹک کرنی چاہیے۔ ساس تو خاموش اور سیدھی سادی تھیں۔ مگر ان کی بہن ساری کسر نکال دیتی تھیں۔ مسلسل ساتھ ہی رہتی تھیں اور خاصی تیکھی تھیں۔ پھر ایک نند۔ جو گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ اس لیے اسے ہر بد تمیزی کی اجازت تھی۔ سب سے بڑھ کر ایک دیور تھا۔ وہ کسی سڑے مزاج کی ساس سے کم نہ تھا۔

زبان اس کی سوا گز کی تھی۔ مگر کسی کو نظر نہ آتی۔ ایسا مسکین بنا رہتا کہ دیکھنے والا اسے معصوم بلکہ مظلوم سمجھتا اور نند صاحبہ کے نخرے۔ الٰہی توبہ' ماتھے کی شکن تو کبھی مٹتی نہ تھی۔ انہیں دکھڑے رونے کی عادت پڑگئی تھی۔ ماں کے سامنے مظلومیت کے قصے بیان کرتیں کہ بے چاری کئی دن فکر میں مبتلا رہتیں کہ ان کی لاڈلی کے ساتھ نہ جانے کون سا ظلم ہو رہا ہوگا۔ ہاں ابا کو البتہ کچھ نظر نہ آتا۔ بلکہ وہ تو روز بروز زیادہ ہی معتقد ہوتے جا رہے تھے' اس خاندان کی شرافت کے۔ ان کا بس نہ چلتا کہ داماد کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہیں' وہ تو داماد ہی اس قدر پر تکلف تھا کہ سسرال میں آنے میں اس کی عزت پر حرف آتا تھا۔ سو نخروں سے کبھی مہینے میں ایک بار ہی آتا۔ اس وعدے کے ساتھ کہ اشارہ دیکھتے ہی اٹھ جانا۔ پھیل نہ جانا' تمہیں جتنی دیر یا جتنے دن رہنا ہو۔ چلی جایا کرو۔ مجھے پابند نہ کیا کرو۔ ایسے اکڑ فوں کے ساتھ پوری زندگی کیسے گزرے گی۔ لمحہ فکریہ تھا یہ۔

♥ ♡ ♡ ♥

اماں ابھی نماز کی چوکی پر ہی تھیں کہ منصور جاگ کر باہر آگیا۔ اماں کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔ وہ ان کی پشت پر آکر بیٹھ گیا۔ اماں کے کندھے پر سر رکھ لیا۔ ایک ہاتھ سے ان کی کمر دبانے لگا۔ اماں نے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ مڑ کر بیٹے کو پھونکا۔

"بیٹا! اتنی جلدی اٹھ گئے آج۔"

"بس اماں! آنکھ کھل گئی۔ نیند پوری ہوگئی ہے۔"

"تو نماز بھی پڑھ لیتے۔ صبح کی عبادت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔"

"پڑھ کر آیا ہوں۔ آپ اٹھیں' بستر پر چل کر لیٹیں۔"

"اٹھتی ہوں۔ ذرا چائے بناؤں گی۔"

"کوئی ضرورت نہیں' رات کمر کے درد سے بے چین تھیں۔ اب کچن میں جا کر کھڑے ہونے میں کوئی راحت نہیں۔ میں بناتا ہوں چائے۔"

"ارے میرا بیٹا رات اتنی دیر میری کمر دباتا رہا۔ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا' کب درد غائب ہوا۔ کب میں بے خبر سو گئی۔" انہوں نے پیار سے بیٹے کا چہرہ چھوا۔

"تو غائب شدہ درد کو دعوت فکر دینے کی جلدی ہے

آپ کو چلیں آج اپنے بیٹے کے ہاتھ کی چائے کا مزا تو

وہ اماں کو سہارا دے کر ان کی چپلیں پہنا رہا تھا کہ ... سے خالہ نے منہ نکالا۔

"ہیں؟ یہ میری گنہ گار آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں۔ منصور اور اتنی صبح بیداری۔ کیا رات کو چڑیلوں نے خواب میں آکر بہت ستایا تھا؟"

"خالہ! آنکھوں کے کیمروں پر یقین نہ کیا کریں۔ کبھی یہ غلط منظر دکھاتے ہیں۔" وہ اماں کو ان کے بستر تک لایا۔ "اور خالہ! میں اتنا بھی گنہ گار نہیں۔ کیا حوریں نیندیں نہیں اڑا سکتیں؟"

"بھئی' ہمارے ہاں کے نام نہاد ملاؤں کی نیندیں ضرور حوریں آکر اڑاتی ہوں گی۔ جہاں تک میرا خیال ہے تم... ابھی اتنے بھی ملا زم کو نہیں جان سکے ہو۔ کیسے ہوا بھی..."

"کہتا ہے' آج بیٹے کے ہاتھ کی چائے پی کر دیکھیں۔" اماں خوش ہو کر بتانے لگیں۔

"تاکہ پھر کبھی نام ہی نہ لیں۔ توبہ ہی کرلیں۔" خالہ بال برابر کرتی اماں کے پاس آبیٹھیں۔

"چلیے ہو جائے امتحان۔ نمبر ضرور دیجیے گا۔ آپ کو بھی پلاتا ہوں۔" وہ باہر نکل گیا۔

"رات اتنی دیر تک آپ کی کمر دباتا رہا۔ آپا! باتوں کی آواز آرہی تھی۔ کیا کہہ رہا تھا؟"

"کہتا کیا؟ تسلیاں دے رہا تھا کہ کبھی اچھے دن بھی آئیں گے۔ آپ کے لیے ملازمہ رکھوں گا۔ جو آپ کو پلنگ پر بٹھا کر پکا کر کھلائے گی۔"

"ہاں' وہ بڑے صاحب زادے بھی ایسے دعوے کرتے تھے۔" خالہ تلخ ہوگئیں۔

"بس اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ اسے ارادوں میں کامیاب کرے۔ امتحان میں شاندار کامیابی ملے۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔ مجھے اور کوئی لالچ نہیں۔ بس اسے بھی کام سے لگا دیکھ کر خوش ہو لوں گی۔" اماں دل گرفتی سے کہنے لگیں۔

"شاید اسی کے ذریعے آپ کو سکھ ملے۔ کتنی

تکلیفیں اٹھا کر آپ نے پالا ہے انہیں۔ کاش مسرور کو بھی احساس ہوتا۔"

"بس چپ رہو۔ میں نے کوئی کمال نہیں کیا۔ سب مائیں تکلیف اٹھا کر ہی پرورش کرتی ہیں۔ دکھ سہتی ہیں۔ سکھ کی خواہش کرتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو شاید اولاد سے محبت بھی کم ہو۔" منصور ٹرے میں چائے لے آیا۔

"چلیں خالہ! انصاف کریں۔ آپ اچھی چائے بناتی ہیں یا میں۔" چھوٹی میز پر ٹرے رکھ کر اپنا مگ اٹھا لیا۔ پلیٹ میں کچھ بسکٹ بھی تھے۔

"بھئی واہ۔ سلیقے کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔" خالہ نے تعریف کی۔ "مگوں کے نیچے پرچ موجود۔ پلیٹ میں بسکٹ موجود' دل خوش کر دیا۔"

منصور نے اٹھ کر کمر جھکائی اور کورنش بجالایا۔ تین چار سلام کر کے بیٹھ گیا۔ "ہاں جی' میری غیر موجودگی میں آپ میری غیبت فرما رہی تھیں۔ حالانکہ میں ایک نیک کام میں مصروف تھا۔ توبہ' توبہ ویسے آپ میرے سامنے بھی سب کچھ فرما سکتی ہیں۔ فرماتی رہتی ہیں۔ آپ کو ڈر کس کا ہے؟"

"توبہ کان ہیں کہ آلۂ سماعت اور بھئی' غیبت کی مجھے واقعی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی بات ہو رہی تھی تو بے چارے مسرور کی۔"

"آپا! تو ثابت ہو ہی گیا کہ آپ ہم دونوں کی خاصی دشمن ہو گئی ہیں۔"

"دشمنی بڑھ سکتی ہے۔ تم تیمور سے ملے تھے؟" منصور کے ہاتھ سے مگ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"ہاں ملا تھا۔" انکار فضول تھا۔ خالہ کی انٹیلی جنس سروس خاصی اسٹرانگ تھی۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا۔" دوسرا الزام۔

"فائدہ نہیں تھا۔"

"میں فائدے نقصان کو خاطر میں نہیں لاتی نہ ہی اپنی معلومات ادھوری چھوڑنے کی قائل ہوں' چچی اماں سے ملے ہو گے۔" خالہ کی نظریں اس کے دل کے اندر جھانک رہی تھیں۔

"جی وہ تیمور مانا ہی نہیں۔ زبردستی پکڑ کر لے گیا مجھے۔"

"اور تم اتنے ننھے تھے کہ ہاتھ بھی نہیں چھڑا سکے۔" خالہ برہم ہو گئیں۔ "بات پچھ......"

"ہائیں! یہ کیا ہو رہا ہے صبح صبح' یعنی عیاشی۔" مسرور نے اندر آتے ہوئے ان لوگوں کو چائے پیتا دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ موضوع بدلنے سے منصور نے شکر کا سانس لیا۔

"آیئے بھائی جان! آپ کو بھی عیاشی کرا دیتے ہیں۔ بیٹھیے بیٹھیے' ابھی لایا چائے۔" منصور کو موقع ملا اور وہ فوراً" باہر کو لپکا۔

"کیا بات ہے اماں۔" ماں' خالہ کو چپ بیٹھا دیکھ کر مسرور فکرمند ہو گیا۔

"آپا کی کمر میں رات سے شدید درد ہے۔ اس لیے منصور نے کچن سنبھالا ہوا ہے۔" خالہ نے جھٹ وضاحت کی۔ "اور اتنی دیر سے بیٹھے داد چاہ رہے تھے حضرت۔"

"رودابہ کو اٹھا دیتیں۔ خالہ! چائے بنا لیتی۔"

"پھر مل چکی۔ آدھا گھنٹہ اٹھنے میں لگاتی۔ آپا کو نماز کے بعد چائے کی طلب ہوتی ہے۔"

منصور چائے لے آیا تو مسرور نے اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی تاکید کی۔ پھر چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"واہ چائے مزے دار ہے۔ کیوں خالہ! یہ منصور تو چائے خاصی بنا لیتا ہے۔"

"ہاں بھئی' پہلی بار کی چائے مزے دار ہوتی ہے۔ تم کو تو آپا روز بیڈ ٹی دیتی ہیں۔ اس میں یکسانیت ہو جانے سے اتنا مزا نہیں آتا ہوگا۔ کبھی تم خود بھی ہاتھ ہلا لیا کرو اور زیادہ لذیذ لگے گی چائے۔" مسرور نے مسکرا کر خالہ کے سر پہ چپت رسید کیا۔

"ارے ارے بے تمیز' خالہ ہوں۔"

"چھ مہینے چھوٹی۔ خالہ کہنے سے کوئی بزرگ نہیں بن جاتا اور ہاں میں ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتا ہوں۔ کماؤ پوت ہوں کیوں اماں۔" اس نے ماں کو

دیکھا۔ وہ گردن ہلانے لگیں۔

"بھئی میں تو آپا کی ہمدردی میں کہہ رہی تھی۔ صبح سے وہ کچن میں جا کر کھڑی ہوتی ہیں۔ تو دوپہر کا کھانا پکا رکھتی ہیں پھر شام کو تازہ کھانا پکتا ہے اور وہ ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے پر مجبور۔ کوئی ملازمہ رکھو گے تو اس کا کام دو ہزار میں بھی نہیں کرے گی' دعا کرتے رہو کہ ان کی صحت برقرار رہے۔ تمہیں پکی پکائی ملتی رہے ورنہ فاقے ہوں گے۔"

"اماں آپ لگ کر علاج کریں۔ آج ضرور ڈاکٹر کے پاس چلی جائیں۔" مسرور نے تاکید کی۔

"اچھا' کبھی ماں کو جیب خرچ دینے کا خیال نہیں آیا تمہیں۔ گھر کے اخراجات سے دوا' علاج مشکل ہوتا ہے۔ دانتوں سے پکڑ کر پیسہ بچاتی ہیں کہ تمہاری محنت کی کمائی ہے۔ علاج کا خرچ کہاں سے لائیں۔ سوچتی ہیں چلو رقم بچا لوں۔ خود تکلیف اٹھاتی ہیں۔ تم لوگوں کے آرام کی خاطر۔"

خالہ کچھ زیادہ ہی تلخ ہو رہی تھیں۔ مسرور سمجھ نہیں سکا' ان کے ساتھ کیا مسئلہ ہو گیا ہے کہ بولے جا رہی ہیں۔ اندر کی گھٹن باہر نکالنے کی کوشش۔

"ارے صبح صبح کیا لے بیٹھیں زیبو۔" اماں نے بہن کو ٹھوکا دیا۔ "ٹھیک ہوں میں آرام کر لوں گی۔ تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"رودابہ مدد نہیں کرتی؟"

"اس کی پڑھائی کب موقع دیتی ہے۔ پھر اسکول سے آ کر تھکی ہوئی ہوتی ہے۔ باقی وقت لڑنے جھگڑنے دوپٹہ چبانے میں گزار دیتی ہے۔" مسرور کی چائے ختم ہو گئی تھی۔ وہ کھڑا ہوا۔ تو خالہ نے فوراً" ڈپٹ کر کہا۔

"یہ مگ یہاں نہیں رہتا۔ ٹرے میں رکھو اور کچن میں لے جاؤ۔ بلکہ دھو کر رکھو۔ آج گھر کی خادمہ علیل ہے۔ آرام کرنے دو اسے۔ تاکہ تازہ دم ہو جائے۔" ٹھٹکے ہوئے ہم عمر بھانجے کو دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

"خالہ! یہ زیادتی نہیں؟"

"گھر کے کام کرنا زیادتی ہے؟ پھر یہ زیادتی آپا کے لیے کیوں مخصوص کر دی ہے تم نے؟ چلو اٹھاؤ ٹرے۔ سب برتن دھو کر رکھنا۔ تمہارے ہاتھ نمک کے بنے ہوئے ہرگز نہیں کہ گھل جائیں گے۔" خالہ نے ٹرے بھانجے کے ہاتھ میں پکڑا دی اور ہنس پڑیں۔ بھانجے کی شکل پر بارہ بج رہے تھے۔

"خالہ! یاد رکھنا۔" دانت کٹکٹا کر کہا۔

"یاد رکھتی ہوں گی کہ اب چاہتی ہوں کہ کچھ یاد نہ رہے۔" کہہ کر مڑیں اور چل پڑیں۔

کچھ دیر بعد تیار ہو کر آئیں اور بہن سے جلد آنے کا کہہ کر اور "آپ کوئی کام نہ کریں لیٹی رہیں۔" کی تاکید دہرا کر آفس چلی گئیں۔

زیبو کا آفس بھی گھر سے دور تھا اور آج کل کام کا بوجھ تھا۔ مسرور کے چچا زاد بھائی سے رشتہ آیا۔ تو مسرور کے والد زندہ تھے۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ شہود ایک تعلیم یافتہ۔ محنتی حساس۔ ذمہ دار لڑکا تھا۔ اس نے موقع ملتے ہی پہلے سعودی عرب میں جاب کی۔ وہاں سے امریکہ نکل گیا اور اس کی جاب بھی اچھی تھی۔

گھر کی حالت درست کرنے میں اس نے پوری توانائی خرچ کی۔ یہی وجہ تھی کہ اب خاندان میں سب سے زیادہ معاشی مضبوطی ان کے گھر نظر آتی تھی۔ زیبو کا رشتہ طے ہونے کے بعد شہود نے خواہش کی کہ زیبو کی تعلیم پر توجہ دی جائے۔ چنانچہ زیبو نے یونیورسٹی جوائن کر لی۔ پھر چچی اماں نے فرمائش کی کہ ابھی نکاح کر دیا جائے تاکہ کاغذات بنوانے میں آسانی ہو اور اگلی بار رخصتی میں جلدی کی جائے۔ شہود کے آتے ہی نکاح بھی ہو گیا اور بہت سے وعدے خواہشیں اور خواب دکھا کر وہ واپس چلا گیا اور اس بات کو بھی اب کئی سال گزر گئے تھے۔ ایم بی اے کر کے زیبو نے کمپیوٹر کلاسیں لینی شروع کر دیں اس دوران مسرور کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اور ادھر جیسے سب کچھ ختم ہو گیا۔ سناٹا چھا گیا۔

چچا کے انتقال پر شہود کا فون آیا۔ خط بھی ملا مگر اس نے واپسی یا رخصتی کا ذکر نہیں کیا۔ پھر چچی اماں کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ مکان جو زیبو کے والد کا ہے۔

مسرور نے پھر اپنے کمرے کا دورہ کیا۔ بیگم کو کھانا پکانے کی ہدایت دے کر منصور کو تاکید کی "تم یونیورسٹی چلے جاؤ۔ شمائلہ کھانا پکالے گی۔"

"پکائیں گی۔ یا جلائیں گی۔ کھانا اور دل دونوں۔" منصور بڑبڑایا۔ مسرور نے بس اسٹاپ پر کھڑی رودابہ کو ساتھ لیا۔ اسے اسکول چھوڑا خود آفس روانہ ہوا۔

منصور نے اماں کی میز پر تھرماس میں پانی گلاس رکھ دیا۔ ناشتہ کرا دیا۔ ایک بار پھر کمر دبائی اور وعدہ لیا کہ وہ کچھ کام نہیں کریں گی۔

مسرور نے آفس سے گھر فون کیا۔ تو انگیج ملا۔ پھر کیا پھر کیا ہر بار مصروف دوپہر کو آفس سے چھٹی کر کے گھر روانہ ہوا۔ زنیرہ بھی آفس کی وین سے اسی وقت اتر کر دروازے تک پہنچی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ آگے پیچھے دونوں اندر داخل ہوئے۔ اماں کچن میں تھیں۔

"آپا میں کہہ کر گئی تھی کہ جلدی آجاؤں گی۔ آپ ذرا دیر بھی نہیں لیٹ سکیں۔ ہٹیے میں پکالوں گی۔ مسرور آپا کو اندر لے جاؤ۔"

مسرور نے اماں کا ہاتھ پکڑا۔ گرم تھا۔ "آپ کو بخار ہے اماں۔"

"ہاں، حرارت ہو جاتی ہے۔" انہوں نے کمر پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

"درد ہے کمر میں۔ بخار بھی ہے اور پھر بھی آپ کو چین نہیں۔" کمرے میں ماں کو لٹایا۔

"دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کوئی آیا تھا کیا؟"

"نہیں، ہاں، شمائلہ نے پڑوسی کے نوکر سے ڈبل روٹی منگوائی تھی ناشتے کے لیے وہی کھلا چھوڑ گیا ہو گا۔"

اف صبح سے دروازہ کھلا پڑا تھا۔ غصے میں جلتا اپنے کمرے میں گھسا، بیگم ہنس ہنس کر فون پر باتیں کر رہی تھیں۔ اس نے ریسیور چھین کر نیچے پٹخا۔ شمائلہ گھبرا گئی۔

"کیا پکایا ہے؟"

"آپ کھائیں گے؟"

"کھانے کا وقت ہے۔ ظاہر ہے کھاؤں گا۔ ویسے کیا پکایا ہے محترمہ نے۔"

"اماں اٹھ گئی تھیں تو۔" مسرور کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"صبح سے فون سے چپکی ہوئی ہو۔ جتنی بار فون کرنا چاہا۔ لائن بزی تھی۔ کیا کہہ کر گیا تھا میں کہ اماں بیمار ہیں۔ بخار ہے انہیں۔ شمائلہ! تمہیں کب احساس ہو گا۔ آخر یہ بے حسی کب تک برداشت کروں گا میں۔ دروازہ بھی صبح سے کھلا پڑا ہے، تم نے ڈبل روٹی منگائی۔ اپنے ناشتے کے لیے تو پورے لوازمات چاہیے ہوتے ہیں۔ میری ماں کی تکلیف کا خیال نہ اپنی ذمہ داری کی پروا۔"

"اُفوہ! فردِ جرم کس قدر طویل ہے۔" شمائلہ مسکرا کر میاں کو رام کرنے کی ترکیب سے واقف تھی۔ "جاتی ہوں بابا۔ کچھ پکا لیتی ہوں۔ پتہ نہیں گھر میں کیا ہے۔"

"رہنے دو اب۔ اماں نے کچھ کر ہی لیا تھا اور اب خالہ آگئی ہیں۔" شمائلہ بے حد موڈی اور بے حس تھی۔ مسرور نے باہر آ کر دیکھا۔ خالہ کچن کی میز پر برتن رکھ رہی تھیں۔

"آجاؤ، آپا نے قیمہ چڑھا دیا تھا۔ دال اور روٹی میں نے پکالی ہے۔ شمائلہ کو بھی بلالو۔ آپا کو دے آئی ہوں۔"

"آجائے گی۔" مسرور چڑ گیا "ایک ہمارے گھر والے ہیں۔ اس کی فکر میں مبتلا۔ ابھی اماں بھی پوچھیں گی شمائلہ نے کھالیا؟"

♥ ♡ ♡ ♥

"ہم تو جانیں ایک ہی بات۔ سولہ آنے کی برسات۔" منصور گنگناتا ہوا بھائی جان کے کمرے سے نکلا۔ رودابہ نے دیکھا۔ منصور کے ہاتھ میں کچھ سکے تھے۔

"نظر نہ لگا دینا۔ بھابھی نے پورے سولہ آنے دیے ہیں۔ میں نے وین کا کرایہ مانگا۔ تو یہ قیمتی سکے عنایت کیے۔ فقیرانہ آئے صدا کر چلے۔ بوا خوش رہو تم دعا کر چلے۔"

"تو بقیہ کرایہ کہاں سے آئے گا۔" رودابہ فکر مند ہو گئی۔ وہ بوا کی اطلاع پر مسکرا نہ سکی۔

"روڈ پر لفٹیں بہت چڑھ جائیں گے کسی پر۔" منصور بے فکر اتھا۔

اس دن بھائی دوپہر کو آ گئے۔ روداب کو دیکھ کر پوچھنے لگے کہ وہ بلاوجہ چھٹی کیوں کرتی ہے۔ کوئی گھر کا کام ہو تو کہتی ہے، مجھے پڑھنا ہے پوزیشن لینی ہے۔ دل کی بھڑاس نکال کر پھر وجہ دریافت کی۔

"بھائی جان! کرائے کے پیسے نہیں تھے اماں کے پاس۔"

"اپنی بھابھی سے لے لیتیں۔" انہیں یہ بہانہ فضول لگا۔

"بھابھی سے۔" وہ الجھے ہوئے لہجے میں بڑبڑائی۔ پھر سچ کہنا ہی پڑا۔ "منصور بھائی نے بھی کرایہ مانگا تھا۔ تو انہوں نے گن کر پیسے دیے تھے۔ میری وین کا کرایہ تو زیادہ ہوتا ہے اور میری ٹانگیں منصور بھائی جتنی مضبوط نہیں کہ پیدل چل پڑوں۔" وہ چڑ گئی تھی۔

اس دن کے بعد سے پھر یہ ہوا کہ بھائی جان اسے ساتھ لے جانے لگے۔ مسرور نے ثمائلہ کو شرمندہ کرنا چاہا۔ تو ادھر گال پیٹنے اور توبہ توبہ کا عمل سامنے آیا۔

"ان لوگوں کے پیٹ میں کوئی بات ٹھہرتی ہی نہیں۔ مجھے بدنام کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ میں کیسے مان لوں کہ اماں کے پاس کرائے کے پیسے نہیں تھے۔"

اسی دن ثمائلہ میاں کے سامنے کچھ نوٹ لہراتے ہوئے اطلاع دے رہی تھی۔

"دیکھیں یہ میں اماں سے لے کر آئی ہوں۔ یہ ہیں آپ کے گھر والے، کرائے کے پیسے نہیں تھے تو بہن صاحبہ اسکول نہیں گئیں۔ اور منصور اول نمبر کا سازشی۔" انہوں نے دانت کچکچائے۔ مسرور کو اماں کے پاس سے رقم کی برآمدگی نے دم بخود کر دیا۔ عجب پژمردگی طاری ہو گئی۔ اوپر سے ثمائلہ کی طنزیہ باتیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

اگلے دن روداب کو پھر گھر میں دیکھ کر اسے غصہ آ گیا۔ "اب کون سا بہانا ہے۔ اسکول نہ جانے کا۔" روداب گڑبڑا گئی۔

"بھائی جان! وہ فیس۔"

"ہاں تو تم دونوں کی فیس میں نے الگ کر دی تھی اماں کو۔"

"جی وہ پیسے کم ہیں۔"

"ارے بیٹا! کیوں پریشان ہوتے ہو۔ لیٹ جمع کرا دے گی۔" اماں نے ٹالنا چاہا۔ مگر خالہ کی زبان کب رک سکتی تھی۔

"آپا! بتا دیں۔ ثمائلہ کو کچھ پیسوں کی ضرورت تھی تو فیس کے پیسوں سے دے دیے تھے۔ اب وہ جب بھی ادا کریں۔ تب تک روداب منہ چھپائے بیٹھی رہے گی۔ فیس جمع کرانے کی آج آخری تاریخ ہے۔"

"چلو تیار ہو جاؤ فٹافٹ۔ ابھی جمع کرا دیتے ہیں۔" مسرور نے سامنے کھڑی ثمائلہ پر ملامتی نظر ڈال کر کمرے کا رخ کیا۔ الماری کھول کر ثمائلہ کے پرس سے رقم نکالی۔ اس کے چیخنے چلانے کی پروا کیے بغیر اسے دھکا دے کر باہر نکل آیا۔ روداب تیار کھڑی تھی۔ اماں پکارتی رہیں کہ فیس کے پیسے تو لے لو۔ مگر وہ پرس سے پوری فیس لے آیا تھا۔

"آئندہ جب ضرورت ہو۔ کوئی پریشانی ہو۔ مجھے بتاؤ گی تم، ڈرنے جھجکنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ کیا کہہ کر رقم لی تھی ثمائلہ نے اماں سے؟"

راستے میں وہ روداب سے باتیں کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"ان کی کوئی قیمتی دوا کی شیشی ٹوٹ گئی تھی۔ بھابھی ڈر رہی تھیں کہ آپ خفا ہوں گے۔ کہہ رہی تھیں، چپکے سے منگا کر رکھ لیں گی۔"

اس روز ثمائلہ بے حد خطرناک موڈ میں میاں کے جاتے ہی گھر سے نکل آئی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ ساس بیمار اور گھر میں اکیلی ہیں، وہ سیدھی میکے گئی۔ دل میں ابلتے غصے اور بیزاری کے جذبے ماں پر عیاں کرنے ضروری تھے۔ وہ کوئی حل بتائیں۔ نہ بتائیں تسکین کے پھاہے دل پر رکھ دیتی تھیں اور اب تو کسی

...ایک اللہ والے بابا ہیں پہنچے ہوئے بزرگ کا ذکر کیا تھا۔ وہ چٹکی بجاتے مسئلہ حل کر دیتے تھے۔ کوئی ایسا تیر بہدف تعویذ دیتے کہ بڑے سے بڑا مسئلہ دنوں میں حل ہو جاتا۔ اب ان سے مدد لینی پڑے گی۔

♥ ♡ ♡♡ ♥

منصور یونیورسٹی کے گیٹ سے جوں ہی باہر نکلا۔ تیمور مل گیا۔ اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے جانے لگا۔ منصور نے احتجاجاً کہا۔ "نہیں یار! اماں کی طبیعت خراب ہے۔ مجھے جلدی، گھر جانا ہے۔"

"تم وین سے جتنی دیر میں گھر پہنچو گے۔ اس سے پہلے پہنچا دوں گا۔" اس نے کہا۔

"کیوں ہیلی کاپٹر ہے تمہارے پاس۔؟"

تیمور نے سامنے کھڑی نئی، نکور چمچماتی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ "رات کو ہی لے کر آیا ہوں۔ آج ہی ابھی اوپننگ ہوئی ہے اس کی۔ سوچا تمہارے ساتھ کچھ عیاشی کر لیں۔ کیسی لگی؟"

"بہت اچھی مگر آج میں کہیں جانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خالہ منع کرتی ہیں؟"

"نہ بھی کریں۔ تب بھی میں خود شرمندہ ہو جاتا ہوں۔"

تیمور نے اسے گاڑی میں بٹھا کر دم لیا۔ وہ بے آواز چل پڑی۔ جیسے نرم رو ندی میں کشتی ہلکورے لیتی ہو۔

"تم نے مبارک باد نہیں دی مجھے۔"

"کس چیز کی؟ کیا رزلٹ آ گیا تمہارا؟" وہ متوجہ ہوا۔

"او ہو اس نئی گاڑی کی۔"

"او ہاں مبارک ہو بھئی، چچی اماں کی صحت کا سناؤ۔"

"ہاں، وہ ٹھیک ہیں۔ البتہ تمہارے خالو "حفت" کے ٹیلی فونک سلسلے جاری ہیں۔ اماں بتا رہی تھیں کہ زنیرہ کے کاغذات تیار ہیں۔ وہ بھی کاغذات بنوالیں تو رخصتی کی تاریخ طے کی جائے۔"

"کون سے کاغذات۔"

"او بھئی، مکان کے۔ یہی ایک شرط تو ہے اماں کی۔"

"تیمور! زندگی کا سفر بھی مشروط ہوتا ہے؟ انسان مجبوری کی زنجیروں میں جکڑ جاتا ہے۔ خوشیاں نہیں ملتیں۔ شہود بھائی سے کہنا۔ کیا ان کی شرط کے عوض خالہ کوئی شرط عائد کریں۔ تو کیا وہ مان لیں گے؟"

"وہ کون سی شرط عائد کر رہی ہیں۔"

"یہی کہ کوئی شرط نہیں۔ زندگی آزاد گزرے تو ہزار سکھ ملتے ہیں۔ ذرا غور تو کرو۔ بلکہ شہود بھائی بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ خالہ اس پوزیشن میں نہیں کہ کوئی شرط عائد کریں۔ ایک مجبور، کمزور بے بس لڑکی ہی ہیں۔ ماں، باپ، بھائی کوئی نہیں۔ کس مان پر مطالبہ کریں۔"

"بھانجے تو ہیں ماشاء اللہ مددگار۔ حامی۔ برابر کے۔" تیمور مسکرا رہا تھا۔

"ہم تو خود رشتوں کی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں۔ نکاح کا بندھن اتنا کمزور نہیں ہوتا کہ ہم اسے توڑ دیں۔ کاش ابا کے سامنے سب کچھ ہوتا۔" وہ افسردہ ہو گیا۔

تیمور چپ تھا۔ اس کی توجہ اپنی نئی گاڑی کی طرف تھی۔

"تیمور! بس مجھے یہیں اتار دو۔ میں چلا جاؤں گا۔"

"میں تو چائے پلانے لے جا رہا تھا تمہیں۔ گاڑی کی خوشی میں۔ تمہیں اپنی خوشی میں شریک کر کے ذرا ہلا گلا کرنا۔"

"یار! میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔" منصور نے لمبا سانس لیا۔ "تم خوش ہو۔ اس پر تمہیں مبارک دے سکتا ہوں۔ اللہ اور خوشیاں دے۔"

گاڑی رکی۔ وہ اترنے لگا تو تیمور نے پوچھ لیا۔ "بتا سکتے ہو۔ کن بڑی باتوں پر تم خوش ہو سکتے ہو۔ پھر میں وہی کروں۔؟"

"وہ تمہارے بس میں نہیں۔ میرے لیے اماں کی صحت۔ خالہ کی خانہ آبادی سے بڑھ کر شاید کوئی اور

خوشی اتنی اہم نہ ہوگی۔" وہ بہت کمزوری محسوس کر رہا تھا۔

تیمور نے ایک بار بھی اس کی حمایت میں کوئی جملہ نہیں کہا۔ اسے اپنی نئی گاڑی کے سوا کوئی چیز اہم نظر نہیں آ رہی تھی۔

"واہ بھئی۔ اپنے منصور کے تو بڑے ٹھاٹھ ہیں۔ پانچ پانچ لاکھ کی گاڑیوں میں گھوما کرتے ہیں۔" خالہ نماز مغرب کے بعد ہاتھوں پر لوشن لگاتی باہر آئیں۔ برآمدے میں اماں نماز پڑھ کر وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔ منصور ان کی کمر دبا رہا تھا۔ چونک گیا رودابہ دوڑتی ہوئی آئی۔

"نہیں؟ خالہ مرسیڈیز تھی؟ کس کی تھی؟"

"مرسڈیز تو نہیں...... پتا نہیں میں نے غور نہیں کیا۔" منصور کا لہجہ اور آواز پست تھی۔

"بھائی! کس کی گاڑی تھی؟" رودابہ کے شوق کی انتہا۔

"کسی دوست کی تھی۔ چلو، تم اندر جا کر پڑھو۔" خالہ تیزی سے بولیں۔ "تمہیں اس قدر جستجو کیوں ہے؟" رودابہ اندر جاتے جاتے مڑ کر بولی۔

"میں سمجھی شہود بھائی نے خریدی ہوگی۔ تیمور بھائی کے لیے۔" زنیو اور منصور دونوں کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ رودابہ کے جانے کے بعد شہود بھائی کا پیغام دیا۔ جسے سن کر زنیو کے ہاتھ پہلو میں لٹک گئے۔

"کیا فون تیمور نے ریسیو کیا تھا؟"

"نہیں، شاید چچی اماں نے۔ اس نے کہا تھا، ٹیلی فونک سلسلہ ہے۔"

♥ ♡ ♡ ♥

تین چار دن کے آرام کے بعد اماں پھر سے حرکت میں آ گئیں۔ البتہ شام کو شمائلہ ان کی مدد کر دیتی تھی۔ اس دن پھر اماں کی کمر میں درد ہو گیا۔ تو خالہ نے شمائلہ کی خبر لی۔

"سارا دن تم کمرہ بند کر کے آرام کرتی ہو۔ بس شام کو پکے پکائے کھانے میں چمچہ چلانے آ جاتی ہو۔ اگر اپنے آرام کا دورانیہ گھٹا کم کر دو تو آپا کی طبیعت بھی خراب نہ ہو۔"

شمائلہ منہ لال کر کے کمرے میں گھس گئی۔ وہ زیر لب خالہ کو کوس رہی تھی جو اس کی ریپوٹیشن جو مسرور کی نظروں میں بہتر ہو گئی تھی۔ برداشت نہ کر سکیں۔ مسرور بیوی کے پھولے ہوئے منہ کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"میں کچھ بھی کر لوں۔ آپ کے گھر والے منہ در منہ جھٹلانے سے باز نہیں آتے اور یہ خالہ خوامخواہ۔"

"خالہ کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔ تم اپنی اصلاح کر لو۔ اماں کے آرام کا وقت ہے۔ تم کو ذمے داری کا احساس ہونا چاہیے۔"

"کبھی بہن کو بھی احساس دلا دیا کریں۔" وہ جل کر خاک ہو گئی۔

"وہ فارغ ہوتی ہے تو کہتا ہوں۔ وہ کرتی بھی ہے۔ لیکن اس پر گھر کی ذمے داری نہیں ہے۔ تم بہو ہو۔ وہ ابھی اسٹوڈنٹ ہے۔ اسے صرف پڑھائی پر توجہ رکھنی ہے۔"

اور پھر ایک دن منصور کو کچن میں مصروف دیکھ کر مسرور کو غصہ آ گیا۔

رودابہ کا ٹیسٹ تھا۔ خالہ کو کسی اہم پروجیکٹ کے سلسلے میں جلدی جانا پڑا تھا۔ اماں کو بخار تھا۔

"جلدی آ جائیں بھائی جان! گرم گرم پراٹھے اور آم کی میٹھی چٹنی آہا! کیا لذیذ ناشتہ ہے۔" منصور میز پر ناشتہ رکھ چکا تھا۔ مسرور نے شمائلہ کو جگانے کی ناکام کوشش کی، رات دیر تک ٹی وی پر فلم دیکھتی رہی تھی۔ مسرور تیار ہو کر ناشتہ کر کے چلا گیا۔ منصور بھی یونیورسٹی چلا گیا۔ اماں کو غنودگی سے جگا کر دروازہ بند کرنے کا کہہ کر وہ چلا گیا۔ ساڑھے بارہ بجے شمائلہ اٹھی۔ اماں کو اپنی میکے روانگی کی اطلاع دی۔ وہ پریشان ہو گئیں۔

"ناشتہ تو کر لو بیٹا۔"

"کر لوں گی امی کے گھر، آپ کے بیٹے صاحب ٹیلی فون کے تار کاٹ گئے ہیں تاکہ میں کسی سے بات نہ کر سکوں۔ یہ تو عزت ہے میری اس گھر میں۔ جب میاں کو ہی میرا خیال نہیں تو اور کسی سے کیا شکوہ۔" وہ خفا تھی۔

"میں ناشتہ بنا دیتی ہوں۔ تم بغیر کھائے نہیں جاؤ۔ اپنے گھر سے خالی پیٹ نہیں جانا چاہیے، بری بات ہے۔"

"بہت بھر چکا ہے میرا پیٹ اور دل بھی۔" وہ کچھ لیے بغیر چلی گئی اور شام تک نہیں آئی۔ البتہ شام کو ساس کا فون آ گیا "کہ تم آ کر تم سے بات کرنی ہے۔"

"لو جی اپنی تو پیشی ہے سسرال میں۔" مسرور فکر مند تھا۔

"تم فون کے تار کیوں کاٹ گئے تھے۔ اسی لیے خفا ہو کر گئی ہیں شمائلہ۔"

"تار جوڑ سکتی تھی۔ اتنی جاہل بھی نہیں ہے۔" مسرور کو جانا پڑا۔ بیوی کو لانا پڑا۔ بتایا نہیں کہ کیا کچھ ہار آئے کیونکہ شمائلہ کا انداز ایک فاتح کا سا تھا۔ زبان بھی کھل گئی اور طنز میں زنیو آزادی سے لپیٹی جانے لگی۔ منصور تو تھا ہی سر فہرست۔

♥ ♡ ♡ ♥

صفیہ پھپھو چچی اماں کا مطالبہ لے کر آئی تھیں۔ وہ رودابہ کی شادی کا تقاضا کر رہی تھیں۔ اماں سر تھام کر رہ گئیں۔

"دیکھو بی بی! جب تک زنیو کا فیصلہ نہیں ہو جاتا، رودابہ کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ زنیو کی رخصتی سے پہلے رودابہ کا تو بھابھی جان خیال نہ کریں۔ یوں بھی وہ ابھی پڑھ رہی ہے اور بہت چھوٹی ہے۔"

"میں نے بھی کہا تھا کہ دونوں پڑھ رہے ہیں۔ ابھی نا سمجھ ہیں۔ شہود کی دلہن آنی چاہیے۔ تو بولیں کہ شہود کی دلہن امریکہ جائے گی۔ مجھے اپنے گھر میں رونق چاہیے بہو کی شکل میں۔"

"تو لے آئیں جہاں سے ملے۔" اماں نے صاف جواب دے دیا۔

مگر اگلی بار صفیہ پھپھو نے آ کر بتایا کہ اب تو مسرور بھی مان گیا ہے۔

اماں حق دق رہ گئیں۔ "مسرور مان گیا ہے؟"

"ہاں، دونوں میاں بیوی گئے تھے نئی گاڑی کی مبارکباد کے لیے بھابھی جان نے کہا۔ تو شمائلہ بہت خوش ہوئی کہ انہوں نے زنیو کی آڑ نہیں لی۔"

"چلو، کسی بات سے تو خوشی ہوئی شمائلہ کو۔ صفیہ! تم ان کو میرا جواب کہہ دو۔ جب تک زنیو رخصت نہ ہو جائے۔ رودابہ کا کوئی نام نہ لے۔ اسے تعلیم مکمل کرنی ہے۔"

"اور بھابی! اگر کوئی رودابہ کو بھی راضی کر لے۔" وہ ہچکچا کر بولیں۔

"اول تو رودابہ ابھی اس قابل ہی نہیں کہ کوئی فیصلہ کرے اور کسی کے سکھانے پڑھانے سے ایسا ہوا تو میں اس کا گلا کاٹ سکتی ہوں۔ یا پھر وہ زنیو کو طلاق دلوا دیں۔ میں زنیو کا کہیں ٹھکانا کر دوں۔ پھر رودابہ کی باری آئے گی۔ اس سے پہلے نہیں۔" اماں کے سر میں درد ہو گیا۔

آج کل شمائلہ کی رودابہ سے دوستی ہو رہی تھی۔ رودابہ ان کے کمرے میں ٹی وی دیکھنے جاتی تھی۔ مسرور نے چچی سے کیوں رابطہ کیا۔ یہ بھی سمجھ میں آ گیا۔ انہوں نے منصور کو چچی کا پیام دیا۔ مسرور کی رضامندی بھی بتا دی۔

"کمال ہے، رودابہ پڑھ رہی ہے اور ابھی اس قابل بھی نہیں۔ میں خالہ کو معلق حالت میں دیکھنے کا روادار نہیں۔ ہاں انہیں بہو لانے کی جلدی ہے۔ تو کہیں سے بھی لے آئیں۔"

"آپا فکر نہ کریں۔ یہ یونہی شوشے چھوڑتی رہیں گی۔ آئندہ کوئی چٹکلہ چھوڑا۔ تو میں خود جواب دوں گی۔" زنیو نے لاپروائی سے کہہ دیا۔

ہوا یہ کہ مسرور شاید شمائلہ کے اکسانے پر ماں کے پاس آیا اور چچی کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر اماں کے پاس جو جواب تھا۔ وہ مسرور کو پسند نہیں آیا۔

"اماں! کیا خالہ کی وجہ سے ہم اپنے ددھیال کو چھوڑ دیں گے۔"

"میں یہ نہیں چاہتی تم ملو، مگر زنیو کی فکر میں نہیں کروں گی۔ تو کیا تمہارے باپ قبر سے اٹھ کر آئیں

گے؟ رخصت کرنے۔ نکاح ان ہی کی رضا سے ہوا تھا۔ اگر میں مرگئی تو میری وصیت یاد رکھنا' زنیرہ پہلے ہے۔ روداب بعد میں۔"

"اماں! آپ کو تو ضد ہو گئی ہے۔" مسرور جھلا گیا۔ اماں حیرت سے دیکھنے لگیں۔

"مجھے کس سے ضد ہو گئی ہے' میں سمجھی نہیں۔"

"چچی اماں سے۔ خالہ کی وجہ سے..... اب کیا ہم روداب کو خالہ کے انتظار میں بٹھائے رہیں گے۔ ابا نے ہی منظوری دی تھی۔ یہ بھی یاد ہے کہ نہیں۔"

"یاد تو ہے۔ مگر زنیرہ پہلے ہے۔ اگر اس کا کوئی بھائی ہوتا تو میں کیوں بولتی۔"

"اماں! کیا ایسا کبھی ہوا نہیں کہ بڑی بیٹھی رہی۔ چھوٹی بیاہ دی گئی۔" مسرور پر چچی نے خاصی محنت کی تھی۔ "ہم بات تو کر سکتے ہیں اس سلسلے میں۔"

"کرلو مگر زنیرہ کی مجھ پر بڑی ذمے داری ہے۔ میں تمہارے باپ اور اپنے ماں باپ کے آگے سرخ رو ہونا چاہتی ہوں۔"

"میں نے چچی اماں سے وعدہ کر لیا ہے۔" کچھ جھجک کر مسرور نے کہا۔

"شاید اس میں تمہارا مفاد ہو۔ میری ذلت ہے۔ یا ماں کو نیچا دکھا کر اگر تمہیں ہفت اقلیم کی دولت ملنے کی امید ہے تو یہ بھی کر لو۔" اماں رخ موڑ کر بیٹھ گئیں۔

مسرور ناکام چلا گیا۔ شمائلہ نے بہت برا مانا۔

"دیکھا' اماں کی تو خالہ سے صبح ہوتی ہے۔ خالہ پر شام تمام۔ یہ عزت ہے آپ کی گھر میں۔ اتنا اچھا موقع ہم خالہ کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ آپ سے زیادہ قدر تو منصور کی ہے۔" مسرور پر جو اماں کے لفظ سے شرمندگی کی راکھ آگری تھی۔ شمائلہ کی ایک جھاڑ نے صاف کر دی۔

♥ ♡ ♡ ♥

زنیرہ نے دھماکا کر دیا۔ اس نے مکان میں اپنے حصے کو منصور کے نام کر دیا تھا۔ مسرور کو تو زیادہ خیال نہیں تھا مگر شمائلہ نے اس کو بھی خوب اچھالا۔ زنیرہ نے کہا

"یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔"

"دیکھ لیا آپ نے۔" شمائلہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "منصور نے کیسا گیم کھیلا ہے۔ ہمدردی ہی ہمدردی میں آدھا گھر ہتھیا لیا۔ آپ کی یہ وقعت ہے۔ مشورہ تک نہیں لیا۔"

اسے تو مسرور کو بھڑکانے کا نادر موقع ہاتھ آیا تھا۔

"اب اماں کے گھر میں بھی منصور آپ کے برابر کا حصہ پائے گا روداب کو بھی اس کا حصہ دینا ہو گا۔ ہمارے پاس کیا رہے گا۔"

"خالہ کی مرضی۔" مسرور نے ٹالا۔

"خالہ آپ کے نام کر سکتی تھیں۔ کون سا آپ اسے لے کر کہیں چلے جاتے۔ ہوش کریں۔ ابھی سے آئندہ کا سوچیں۔ کہیں بقیہ گھر روداب کو نہ دے دیا جائے۔"

شمائلہ کے احساس دلانے پر مسرور کو بھی اپنی حق تلفی نظر آنے لگی۔ اماں سے گلہ۔ خالہ سے ناراضی۔ اب اماں کی بیماری میں منصور ناشتہ بنا رہا ہوتا۔ تو شمائلہ کو جگائے بغیر کچھ کھائے بنا ہی آفس چلا جاتا۔ منصور اپنی غلطی تلاش کرتا رہ جاتا۔ اب منصور کا مذاق بھی اسے گراں گزرتا' وہ جھڑک دیتا۔ کبھی روداب کی فیس دینا بھول جاتا۔

منصور نے بھی ہاتھ پھیلانا چھوڑ دیا۔ اس نے ٹیوشنز پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ اس کا خرچہ نکل آتا۔ اب گھر میں سرد جنگ کی کیفیت رہنے لگی۔ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا رواج نہ رہا۔ نہ ہی اب صبح ناشتے پر ہلچل ہوتی۔ شمائلہ ٹرے میں اپنا اور مسرور کا کھانا لے کر کمرے میں چلی جاتی۔ کبھی کبھار اٹھ کر ناشتہ بھی اپنا اور مسرور کا بنا کر لے جاتی۔ کتنے دن سے اماں کی خیریت بھی مسرور نے نہیں پوچھی تھی۔ گھر کے اخراجات کی رقم وہ روداب کے ذریعے اماں کو بھجواتا۔ ہر بار رقم میں کمی دیکھ کر اماں کچھ نہ کہتیں۔ زنیرہ ہر مشکل کے وقت کام آتی تھی۔ اب وہ دوا بھی منگانا بھول جاتیں۔ زنیرہ کو خیال آتا تو لے آتی۔

♥ ♡ ♡ ♥

ایک دن چچی اماں دندناتی ہوئی آگئیں۔ انہیں اب معلوم ہوا تھا کہ زنیرہ کا حصہ منصور کے نام ہو گیا ہے۔ گھر میں خوب چیخ پکار ہوئی۔ جس میں بڑا حصہ چچی اماں کا ہی تھا۔ زنیرہ لب سیے بیٹھی رہی۔ اس پر بھی الزامات چسپاں کیے۔ مردوں میں بیٹھنے والی بے حیا لڑکی۔ نوکری کے بہانے اپنی نمائش کرنے والی۔ اور نہ جانے کیا کیا۔

منصور خالہ کی کمر پر ہاتھ رکھے چپ بیٹھا تھا۔ گم صم چچی اماں نے جٹھانی کی بھی خوب آؤ بھگت کی' ذلیل کرنے کی پوری کوشش۔ ضدی اور بے مروّت کہا اور ان کا غرور توڑنے کا عزم بھی ظاہر کیا۔ شمائلہ کو ان کی خاطر تواضع یاد آئی مگر چچی اماں نے کچھ کھانے پینے سے انکار کر دیا اور جاتے جاتے بری طرح روتی روداب کو لپٹا کر چٹاچٹ چومنے کے بعد اسے اس گھر میں اپنی امانت ٹھہرا کر جلد ہی لے جانے کا اعلان کر گئی جس جس طوفان کو جلو میں لے کر آئی تھیں۔ اسے چھوڑ کر واپس گئیں۔

ان کے جانے کے بعد طوفان کے گزرنے کے بعد کی کیفیت اپنی نشانی چھوڑ گئیں۔ خاموشی۔ گہرا سکوت۔ تباہی کے آثار' زنیرہ نے روتی ہوئی روداب کو گلے لگا لیا۔

"ارے تمہیں کیا ہوا' تمہیں تو کچھ نہیں کہا انہوں نے۔ بلکہ وہ تمہیں عنقریب لے جانے کے لیے آئیں گی پیار دلار کے ساتھ' عزت احترام کے ساتھ۔"

روداب نے آنچل منہ سے نکال کر کہا۔ "اتنی عزت افزائی کافی نہیں؟ میں اتنی بھی بے حس نہیں کہ ان کا مقصد جان کر انہیں عزت دوں گی۔ آئیں ذرا۔ بتا دوں گی کہ میں کیسی سخت امانت ہوں نوکیلی۔"

"دانتوں سے چبانے والی۔" خالہ نے ہنس کر ماحول کو پر لطف بنانا چاہا۔

اور ابھی چند دن پہلے تک وہ بے حسی کو خوبی سمجھتی تھی۔ اس دن منصور کی اس سے لڑائی ہو گئی تھی' وہ بے فکری سے سیڑھی پر بیٹھی گنا چوس رہی تھی اور اماں کی طبیعت کی خرابی کا حوالہ دے کر منصور اسے کچھ پکانے پر آمادہ کر رہا تھا۔

"بھابھی کر لیں گی۔ انہیں بھی موقع دیا کریں کچھ ہاتھ ہلانے کا۔"

"بے حسی کی حد ہوتی ہے روداب۔" خالہ چیخیں۔

"ارے ماں کا خیال کر لے۔ لڑکی اٹھ۔"

"خالہ! آپ سے زیادہ خیال میں نہیں کر سکتی۔" وہ شرارت سے ہنسی۔

"حد ہو گئی۔ بس سسرال میں بدنام کرے گی ماں کو۔"

"کون کرتا ہے بدنام۔ ہمارے ہاں تو ایسا ہوتا نہیں اور خدا کرے بھابھی کی سسرال جیسی اپنی سسرال ہو۔ آرام عیش۔ فکر نہ فاقہ۔"

"سب لڑکیاں اتنی خوش نصیب نہیں ہوا کرتیں۔" زنیرہ مایوس ہو کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ حالانکہ وہ آفس سے بھی کچھ کام لے کر آئی تھی۔ منصور روداب کو شرمندہ کرنے لگا تو اس نے آرام سے کہا۔

"اماں کے لیے ایک عدد نوکر رکھ دو بھائی۔"

♥ ♡ ♡ ♥

اور منصور نے ایک میڈیکل اسٹور میں شام سے رات تک کی جاب حاصل کر لی۔ رات کو تھکا ہوا آتا۔ تو اماں کی ـــ بھری بانہیں اسے اپنے حلقے میں لے لیتیں۔ ساری تکان غائب ہو جاتی۔

"بس میرے بچے۔ ساری پریشانیاں عارضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری محنت کا بھرپور صلہ دے۔ آمین۔ تھوڑا وقت رہ گیا ہے گزر جائے گا۔"

منصور ایک لڑکے کو لے آیا۔ جو اماں کے کام بھی کرتا اور کچن بھی سنبھالتا۔ شمائلہ نے میاں سے کہا۔

"لیں۔ آپ تو کہتے ہیں کہ اماں کو کم رقم دیتے ہیں اور وہاں تو نوکر بھی رکھ لیا گیا۔ تنخواہ اور کھانا بھی کھائے گا۔ آپ جیسا سیدھا آدمی میں نے کہیں نہیں دیکھا۔"

(عورت تیرا نام فتنہ ہوتا تو بہتر تھا۔ مگر جو فتنہ نہیں۔ ان پر زد پڑتی۔)

مسرور نے غور کیا تو نوکر مہنگا سودا نظر آیا۔ وہ سیدھا اماں کے پاس پہنچا۔ لیکن اسے حساب لینے کی نوبت نہ آئی۔ وہ باہر ہی تھا جب زنیو کی آواز آئی جو منصور کی کلاس لے رہی تھی۔

"پڑھنے کے لیے کون سا ٹائم ہے تمہارے پاس' فیل ہونے کا ارادہ ہے۔ شام تک ٹیوشنز' اس کے بعد رات تک کا کام لے لیا۔ جاب کی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ تھکن الگ۔"

"خالہ! اماں کی صحت روز بروز خراب ہو رہی ہے۔ انہیں ہر وقت کچن میں کھڑے دیکھنا میری برداشت سے باہر ہے۔ نوکر کی تنخواہ بھی تو کہیں سے نکالنی تھی۔ فکر نہ کریں۔ وہیں پڑھ لیتا ہوں میں۔ انشاء اللہ پوزیشن لے آؤں گا اور اگر آخر ہمارے ملک میں مجھ جیسے ہزاروں لڑکے اور بھی ہیں جو۔۔۔"

مسرور نے اندر داخل ہو کر انجان بنتے ہوئے کہا۔

"بھئی' کیا میٹنگ ہو رہی ہے یہاں۔۔؟"

منصور کا چہرہ اترا اترا تھا۔ خالہ متفکر اور اماں کا تھکا ہوا وجود۔ اسے خود سے شرم آ گئی۔

"کچھ نہیں۔ ہم اپنی باتیں کر رہے تھے۔" زنیو کا لہجہ سوکھا بلکہ روکھا تھا۔

"مجھے بھی آج اپنا سمجھ لیں۔"

"تم نے ہی ہمیں غیر سمجھ لیا ہے ورنہ۔۔۔ پہلے تم بھی شامل ہوتے ہی تھے میٹنگ میں۔" زنیو اسے شرمندہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

"آؤ بیٹھو۔" اماں نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"میں کہہ رہی تھی۔ بھلا نوکر کی کیا ضرورت۔۔۔ دیر سویر کر ہی لیتی ہوں میں۔ اتنی نازک بھی نہیں کہ۔۔۔"

منصور اماں کے دوسری جانب آ بیٹھا۔ انہیں شانوں سے تھام کر بولا۔ "اماں! آرام کرنا کوئی گناہ نہیں۔ بہت ضروری ہے۔ لڑکے سے کچھ سہولت تو ہو گئی ہے نا۔"

"تمہاری پڑھائی کا نقصان۔"

"اماں! فکر نہ کریں۔ بس دعا کرتی رہیں۔"

"کچھ بہو سے ہی سبق لے لیا کریں۔" زنیو آج بہت تلخ ہو رہی تھی۔ "جو سارا دن کمرے میں آرام کرتی ہیں اور شام کو اس قدر تھکی ہوئی پائی جاتی ہیں کہ۔۔۔ اگلے دن بارہ بجے تک نیند ختم نہیں ہوتی۔ کوئی آئے تو آپ دروازہ کھولیں۔ کوئی جائے تو آپ ہی دروازہ بند کرنے دوڑیں۔ یہ مشقت آپ کے بس کی نہیں۔ جان ہے تو جہان ہے۔ آپ کو خود اپنی فکر اور خیال کرنا چاہیے۔ ورنہ یہ دنیا پیروں میں رول دیتی ہے۔" زنیو کی بات پر اماں کچھ ششدر رہ گئی تھیں۔ منصور بھی حیران مسرور بیوی کے ذکر پر خاصا بے چین ہو گیا۔

"خالہ! آپ کو شمائلہ سے اس لیے شکایت ہے کہ وہ میری پسند سے آئی ہے۔ اماں میری بھی ہیں۔ مجھے بھی ان کا خیال ہے۔ مجھ سے جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ میں کرتا ہوں۔ دیکھنا ہے' دوسری بہو آ کر کون سے تاج پہناتی ہے اور کتنی خدمتیں کرتی ہے۔"

"افسوس تو یہ ہے کہ تمہاری حسیں سب ہی کہیں جا سوئی ہیں۔ کوئی اگر تمہاری ماں کے لیے نرم اور ہموار جگہ مہیا کرتا ہے تو وہ تمہیں پسند نہیں آتی۔ تم کو اپنی ماں چٹانوں پر چڑھتی اترتی دیکھنے کی عادت ہو گئی ہے خواہ وہ کتنی زخمی ہو جائے۔" زنیو کی آواز بھاری ہو گئی۔

"میرے ساتھ ایک مشکل ہے۔ میں خوشامد کرتا ہوں نہ مصنوعی پیار بھری باتیں۔" مسرور نے طنز بھری نظر منصور پر ڈالی اور باہر نکل گیا اور کمرے میں ہر چیز برف کے طوفان کی زد میں آ گئی۔ اماں فکر مند منصور پریشان۔

♥ ♡ ♡ ♥

شمائلہ نے زنیو کے ساتھ بدتمیزی کا سلسلہ دراز کر دیا تھا۔

اس دن اس نے طعنہ دے دیا کہ زنیو ان کے گھر میں مفت رہتی ہے۔

"اپنا حصہ آپ منصور کے نام کر چکی ہیں۔ اصولاً آپ کو کرایہ دینا چاہیے اپنے قیام کا۔ آپ کے لیے مشکل نہیں ہے آخر کماتی ہیں۔"

زنیو اس عجیب و غریب مطالبے پر حیران اور ہکا بکا تھی۔ پھر اس نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں ٹھیک ہے۔ دے دوں گی۔" پھر مسرور کے آتے ہی کچھ رقم اس کے سامنے رکھ کر کہا۔

"یہ میرا اس گھر میں رہنے کا کرایہ ہے۔ بھئی' تمہاری بیگم نے مطالبہ کیا تھا اور چونکہ میرے پاس تو ایک ہی کمرہ ہے اور تمہارے پاس تین کمرے ہیں۔ یہ گھر کا وہ حصہ ہے جو منصور کے نام ہے۔ تو اس گھر میں رہنے کا کرایہ تم منصور کو دو گے۔ تاکہ وہ اپنی رات کی سروس چھوڑ کر پڑھائی میں دل لگائے۔"

مسرور نے مڑ کر شمائلہ کو دیکھا اور غصے سے کہا۔

"تم پاگل ہو گئی ہو؟ یہ گھر نانا کا ہے۔ خالہ کے باپ کا۔ میرے باپ کا نہیں ہے۔ کرایہ کس سلسلے میں مانگا تم نے احمق عورت۔۔؟"

اسے غصے میں آتا دیکھ کر شمائلہ نے پینترا بدلا۔

"ٹھیک ہے' یہ رہیں اپنے گھر میں۔ پھر ہم چلے جاتے ہیں۔ یہی چاہتی ہیں آپ کی خالہ۔"

"یہ تم خود ہی فیصلہ کر لو کہ تم کیا چاہتی ہو۔ مگر میں آپا کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جا رہی۔ یہ تم لکھ کر رکھ لو۔" خالہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"او ہو۔" شمائلہ بدتمیزی سے ہنسی۔ "اماں کے بہانے آپ کو رہنے کا موقع مل رہا ہے۔ ورنہ آپ کو جانا کہاں ہے۔ یہ بھی بتا دیں۔" زنیو کا چہرہ آگ میں تپ گیا تھا۔

"تمہاری بیوی۔" وہ ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ مسرور کی طرف انگلی اٹھا کر اس نے تیز لہجے میں کہا۔ "اس سے زیادہ گستاخ اور بدتہذیب عورت میں نے نہیں دیکھی۔ مار کھانے والی حرکتیں ہیں اس کی۔"

"ہاں' ہاں بھڑکائیں میرے میاں کو' یہی کسر رہ گئی ہے۔ ویسے آپ کی بات کا جواب بھی ہے میرے پاس۔ آپ نے عورتیں دیکھی کہاں ہیں۔ آپ تو دفتروں میں' راستوں میں' پارٹیوں میں ہر جگہ مردوں کو ہی دیکھتی ہیں مردوں کو ہی جانتی ہیں۔"

زنیو کو شعلوں کی تپش نے جھلسا دیا۔ "مسرور!" اس نے جیسے جلتی ہوئی آواز میں بھانجے کو مدد کے لیے پکارا تھا۔ پھر فوراً" ارادہ بدل دیا۔ "مجھے تمہارے نصیب پر افسوس ہو رہا ہے۔ جیسی صحبت تم کو ملی ہے۔ تم ویسے ہی ہو گئے ہو۔ بے غیرت۔ بزدل' بے انصاف' اور بددیانت۔"

وہ دن زنیو نے سوچتے ہوئے وقت گزارا۔ آج شمائلہ بولی تھی۔ کل مسرور بھی کچھ کہہ سکتا ہے۔ اس کے بعد منصور کو کون روکے گا۔ تین دن بعد وہ آفس میں کمپیوٹر کے سامنے جا کر رک گئی۔ جھجکی پھر اپنی فطری بے ساختگی اور دلیری سے مجبور ہو کر بیٹھ گئی۔ پہلی بار اس نے اپنے وقار' انا اور عزت کو داؤ پر لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ سچائی اس کی ساتھی تھی۔ اس نے کبھی آج سے پہلے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا' فریاد نہیں کی۔ احتجاج تک نہیں۔ وہ اپنے فیصلوں سے مطمئن رہتی تھی۔

مانیٹر اس کے جذبات' سوالات' خیالات عکس در عکس کہیں دور پہنچا رہا تھا۔ عزت نفس کے لیے چیلنج کا سامنا تھا۔ لیکن کچھ بوجھ ہلکا ضرور ہوا تھا۔ نتیجہ تو ابھی سامنے نہ تھا۔ مگر زندگی ہمیشہ نتیجے تک نہیں پہنچاتی۔ کبھی کبھی معلق رہنا پڑتا ہے اور کبھی۔ منفی جواب بھی ملتے ہیں اور زندگی اسی کا نام ہے۔ مقابلہ زبردست۔۔۔ مقابلہ یا ہزیمت۔

آج تک بہت سے دکھوں کے ساتھ زندگی گزارتی زنیو کو ہزیمت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ پشت پر مددگار تھے اور سامنے بہن جیسی سپر' لیکن اب ترجیحات بدل رہی تھیں۔ اگر ابھی نہیں۔ تو کبھی بھی سب کی ترجیحات اس کے خلاف ہو سکتی تھیں اور اسی حساب سے آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنا تھا۔ تخت یا تختہ' آفس خالی ہو چکا تھا۔ وہ ابھی اپنا بیگ سنبھال رہی تھی۔ جب ایم ڈی کے آفس میں اس کے فون آنے کی خبر پیون نے دی۔ کمرہ خالی تھا۔ ایم ڈی جا چکے تھے

اور فون کا ریسیور اس کا منتظر تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

منصور کے امتحان شروع ہو چکے تھے۔ اس نے ساری ٹیوشنز اور جاب چھوڑ دی تھی۔ رودابہ سے لڑنا جھگڑنا موقوف۔ اماں نے نوکر کو نکال دیا تھا۔ زنیرہ گھر کو پورا ٹائم دے رہی تھی۔ اس لیے سب کام وقت پر ہو رہے تھے۔ منصور کو آسانی ہو گئی تھی۔ اب اسے کسی کام سے بازار نہیں دوڑایا جاتا تھا۔ تاکہ وہ یکسوئی سے پڑھ لے۔ رودابہ کے امتحان نزدیک تھے۔ وہ خالہ سے مدد لیتی تھی۔ منصور سے جب کچھ کہتی ادھر سے صاف انکار ملتا اور وہ نجانے کتنے دوپٹے چبا چکی تھی اور اب تو اماں ڈانٹنے کی حد سے آگے بڑھ کر مارنے بھی لگی تھیں۔

"اپنا نقصان۔ خلق کی ملامت۔" وہ چڑ کر اسے دھموکا جڑتیں۔ انہیں یوں بھی اس پر بہت غصہ آنے لگا تھا۔ وہ خود تو چچی اماں سے جا کر نہیں کہتی تھی کہ...... اور وہ تیمور، شہزادہ بنا پھرتا تھا۔ کتنی دفعہ بس اسٹاپ پر آ کر اسے لفٹ کی پیش کش کر چکا تھا۔ اور ہر بار وہ انکار کے ذریعے دھتکار چکی تھی۔ مگر وہاں ڈھٹائی کی حد تھی۔

"جیت لیں گے تجھے ہم کبھی نہ کبھی۔" کا کیسٹ اس کی گاڑی سے باہر میوزک کے سر بکھیرتا اور رودابہ انجان بنی رہتی۔

اس کی سہیلیاں اسے متوجہ کرتیں۔ تو وہ انہیں جھڑک دیتی۔ اسے اماں سے ڈر لگتا تھا۔ یقیناً" تیمور کے ساتھ جانے پر اماں اسے مارنے سے نہ گریز کریں۔ تیمور کے لیے اس کے دل میں نرم گوشہ تھا۔

وہ عمر کے اس دور میں تھی۔ جب ہر شاندار، خوب صورت چیز اسے اچھی لگتی تھی۔ اسے اپنی جانب کھینچتی تھی۔ شوخ رنگ، شاداب چہرے۔ سرخ و سفید پھول۔ سب کچھ اچھا لگتا تھا۔ تیمور تو اپنی وجاہت خوب صورتی کے علاوہ۔ بہترین لباس اور قیمتی گاڑی میں بیٹھا جگمگاتی آنکھوں میں محبت کی روشنی سے اسے متوجہ کرتا۔ مگر وہ انجان بنی ٹریفک کو گھورا کرتی۔

قدرتی طور پر وہ تیمور سے قریبی رشتے اور ادھر سے محبت بھرے تقاضوں سے متاثر بھی تھی۔ وہ سادہ مزاج کی سیدھی لاپروا سی لڑکی تھی۔ اسے چالاکیوں، سازشوں سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ مگر چچی اماں کے حملے۔ پھر اس سے محبت کا اظہار۔ وہ فیصلہ نہ کرپاتی۔

کبھی وہ تیمور کے ساتھ تصور میں اس نئی چمکتی گاڑی میں بیٹھی ادھر سے ادھر اڑتی پھرتی۔ تیمور کی قربت کا تصور اسے ایک نئے جہان کی سیر کراتا۔ پھولوں کی مہک اور تتلیوں کے رقص، چشموں کی گنگناہٹ ہوتی۔ مگر پھر خالہ پر نظر پڑتی اور اسے یاد آتا۔

چچی اماں کا تحقیرانہ انداز۔ ان کی تکبرانہ دھمکیاں۔ اماں سے بلاوجہ جھگڑا۔

"بٹھائے رکھو اسے اپنی دہلیز پر۔ کوئی نہیں آئے گا اسے رخصت کرانے۔ گھر جس بھانجے کے نام کر دیا ہے۔ وہی ایک دن دھکے دے کر نکالے گا۔ میرا بیٹا میرے حکم کے بغیر سانس نہیں لیتا۔ جان دے دوں گی مگر اسے اپنی چوکھٹ پار کرنے نہیں دوں گی۔"

اور خالہ کا ضبط سے سرخ ہوتا چہرہ۔ لیکن صبر سے سب کچھ سن لیتیں۔ انہوں نے کبھی بھی چچی اماں کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ رودابہ کا دل خالہ کے لیے محبت اور ہمدردی سے بھر جاتا اگر خالہ بھابھی جیسی ہوتیں۔ لاپروا، بے حس، زبان دراز تو گھر کا ماحول کس قدر پریشان کن ہوتا۔ اماں کی خدمتوں قربانیوں کا اعتراف تو در کنار۔ بھابھی تو جیسے گھر پر حکومت کرنے آئی تھیں۔ خالہ اس گھر کے لیے کس قدر اہم تھیں۔ سب کے لیے ڈھال بن جاتیں۔ بغیر جتائے کتنے ہی اخراجات اپنے ذمے لے لیے تھے اور کس قدر سب سے محبت کرتی تھیں۔ مگر بھابھی ان کی قدر نہ کرتیں۔

منصور بالکل فارغ تھا۔ اس کے پیپر ختم ہو گئے تھے۔ اسے پوزیشن لانے کی پوری امید تھی۔ اب اس کی ساری صلاحیتیں بیدار ہو گئی تھیں۔ جو پچھلے دنوں کے پریشان کن حالات، معاشی مسائل اور بھائی جان کی بے رخی کے سبب اور امتحان کے خوف نے اس

سے چھین لی تھیں۔ وہ خوش تھا اور بے فکر بھی ابھی اس نے معاشی تفکرات سے خود کو بچا رکھا تھا۔ سب نے زیادہ خوشی اماں کی صحت کی تھی۔ آج کل انہیں آرام بھی مل رہا تھا اور وہ منصور کی طرف سے مطمئن بھی تھیں۔ منصور کو ہنستا دیکھ کر زنیو سوچ رہی تھی۔

اس گھر میں منصور کا دم امید و خوشی کی علامت تھا۔ ہنسنا ہنسانا ستانا، چھیڑ چھاڑ، کچھ دیر کے لیے ساری فکر اور پریشانی دور، کہیں افق کے پار چلی جاتی۔ ماں کا ہمدرد۔ خالہ کا دوست۔ بہن کے لیے ناصح اور کس قدر صابر، برداشت والا۔ کبھی کسی سے شکوہ نہ کرتا۔ اپنے گھر کے علاوہ دوسروں کے کام آنے والا۔ ابھی اس دن افتخار بھی آئے تھے۔ جو منصور کا شکریہ ادا کر رہے تھے اس نے ان کا کوئی کام کیا تھا۔ افتخار ویسے بھی آتا رہتا تھا۔ یوں تو چچا زاد تھا مگر منصور سے اس کی دوستی بھی تھی اور منصور کے ساتھ مل کر رودابہ کو ستانے میں کبھی تکلف نہ کرتا۔ تنگ آ کر رودابہ کہتی۔

"منصور بھائی! تاری بھائی کی وجہ سے آپ کو معاف کر رہی ہوں ورنہ۔"

اے آب رود گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو۔
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا۔"

وہ سُر میں گا رہا تھا۔ رودابہ کو اس کا لہک لہک کر گانا ذرا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ وہ اسے ستا رہا ہے۔ ابھی وہ مصنوعی بھول کا سہارا لے کر کہے گا۔

گنگا! نہالو۔
گنگا! کھانا لاؤ۔
گنگا! چائے پھر۔

اوہ میرا مطلب ہے اے آب رود گنگا۔

اس وقت بھائی جان، بھابھی کہیں گئے ہوئے تھے۔ اماں پڑوس میں عیادت کے لیے گئی ہوئی تھیں اور منصور کو آزادی تھی، رودابہ بے بسی سے دوپٹہ چبانے میں مصروف تھی۔

"میں نے کچھ کہا۔ تمہارا نام لیا؟ یہ تو شعر ہے۔"

زنیو کمرے میں صفائی کر رہی تھی اور بہن بھائی کی نوک جھونک پر مسکرا رہی تھی۔

"میں بڑی ہوتی کاش۔ ایسے تھپڑ لگاتی کہ ہوش گم ہو جاتے۔"

"گنجے کو ناخن مل جاتے تو وہ کھجا کھجا کر چندیا زخمی کر لیتا۔ کوے کو کبھی مور کے پر ملے ہیں؟ بھول جاؤ سسٹر۔" پھر وہ بلند آواز میں کلاسیکی دھن میں گانے لگا۔

باغوں میں پڑے جھولے۔ خالہ سن رہی ہیں۔
باغوں میں پڑے جھولے۔ ہم بھول گئے تم کو نہیں تم بھول گئے ہم کو۔"

"ہم تم کو نہیں بھولے۔" یہ آواز یہ آخری مصرع کسی اور نے ادا کیا تھا۔ اور ساتھ ہی رودابہ اور منصور کی چیخیں۔ زنیو گھبرا کر باہر نکلی۔

منصور شہود سے گلے مل رہا تھا۔ جوش مسرت میں وہ بری طرح شہود کو جکڑے ہوئے تھا اور ساتھ دونوں ہنس رہے تھے۔

رودابہ الگ "شہود بھائی! آپ کب آئے؟" سوال کر کے شہود کے کان کھا رہی تھی۔ پھر شہود منصور سے الگ ہو کر دروازے میں جمی حیرت کی تصویر بنی زنیو کو دیکھ کر بولا۔

"بھئی، کیا مطلب کب آئے۔ ابھی آئے اور تمہاری خالہ کی خاطر آئے۔ لیکن یہ کیا میرے سارے تصور راکھ کا ڈھیر بنے پڑے ہیں۔ میں تو سمجھ رہا تھا۔ لال جوڑا زیب تن ہو گا مرصع زیورات سے سجی۔ میک اپ اور دیگر آرائش و زیبائش میں چھپی سارے وقت کے تقاضے پورے کرتی ہوئی نظر آئیں گی لیکن۔"

زنیو نے اپنے حلیے پر نظر ڈالی۔ ملگجے کپڑے اور بکھرے بال۔ وہ جھینپ کر اندر بھاگی۔

"شہود بھائی! آپ کی اردو اس قدر ہائی کلاس کیسے ہو گئی۔" رودابہ حیران تھی۔ "شہود بھائی! کب آئے آپ؟"

"بتا رہا ہوں ابھی سیدھا ادھر آیا ہوں۔ ٹیکسی باہر سامان سے لدی کھڑی ہے۔"

"ہیں؟ باہر کھڑی ہے؟ ڈرائیور لے بھاگا تب؟"

"یار! کیسے لے بھاگے گا اس کا لائسنس اور گاڑی کے کاغذات میری جیب میں ہیں چچی؟"

رودابہ اماں کو خبر کرنے بھاگی۔ شہود بھی فرصت سے آئے تھے۔ چونکہ ان کے گھر بھی کسی کو ان کی آمد کی خبر نہ تھی۔ اس لیے وہ مزے سے بیٹھے زنیو کی بنائی ہوئی چائے چٹخارے لے لے کر پی رہے تھے۔

زنیو نے گلابی رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کا عکس اس کے چہرے پر بھی چمک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ نہ وہ گھبرائی نہ شرمائی۔ بلکہ شہود کو دیکھ دیکھ کر خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ "عزت، عزت نفس، وقار، انا اور احترام۔ سب مل کر ایک جذبہ بن جاتا ہے۔ محبت۔" فون پر شہود نے یہی کہا تھا اور اس کا رواں رواں پکار رہا تھا۔ "ہاں وعدہ نبھانے والے ایسے ہوتے ہیں۔"

ٹیکسی ڈرائیور چائے پی کر برتن بھیج چکا تو شہود نے کہا۔

"اچھا چچی! چلتا ہوں۔ مسرور سے ملاقات نہیں ہوئی۔ جمعہ کو آؤں گا لاؤ لشکر کے ساتھ، تب مل لوں گا۔" پھر چلتے چلتے سرگوشی میں گویا ہوا۔

"یار منصور! ذرا اپنی خالہ کو سجا بنا دینا۔ لال جوڑا پہن کر انتظار کریں گی تو مجھے خوشی ہو گی۔"

رودابہ اچھل پڑی۔ "شہود بھائی! کیا آپ بارات لے کر آئیں گے۔ سچ کہیے۔ برزی بنالی آپ نے؟ مگر میری تو تیاری نہیں ہے۔" اس کا شوق کھانے اور لباس تک محدود تھا۔

"طعنوں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے پوری تیاری کی ہے سسٹر۔ گھبراؤ نہیں تمہیں بھی گفٹ ملے گا۔ ایک ہی تو سالی ہو تم میری۔"

رودابہ کا موڈ آف ہو گیا۔ "کیا؟ سالی؟ میں ایسا گندا رشتہ کبھی قبول نہیں کروں گی۔ سالی..... ہونہہ اماں ہیں آپ کی اکلوتی سالی۔ انہیں دے دیجیے وہ گفٹ۔"

وہ جیسا کڑوا منہ بنا رہی تھی۔ اس پر سب کو ہنسی آ گئی۔ مسرور فوراً ہی گھر میں داخل ہوا تھا۔

"گھر کے سامنے ٹیکسی کھڑی تھی۔ کون گیا ہے۔"

"گیا کوئی نہیں بھائی جان۔" رودابہ چہکتی ہوئی آواز میں بولی۔ "شہود بھائی ایئرپورٹ سے سیدھے ادھر آئے تھے۔ وہی گئے ہیں۔"

مسرور نے اماں کو دیکھا۔ "ہاں جمعہ کو آنے کو کہہ گئے ہیں۔ دیکھو کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ جمعہ تک۔" اماں متفکر تھیں۔

مسرور نے اچٹتی نظر زنیو پر ڈالی۔ جو کیتلی کھولے اس میں جھانک رہی تھی۔

"مسرور! چائے پیو گے؟" اس کے انداز میں نہ پریشانی تھی نہ خوشی بلکہ سکون تھا چہرے پر۔

جمعہ تک گھر میں سنسنی پھیلی رہی۔ اماں کی دعائیں طویل ہو گئیں۔ زنیو بے فکر رودابہ کے ساتھ گھر کی صفائی میں جت گئی تھی۔ مسرور بھی مطمئن نہ تھا۔ منصور اکثر شہود سے ملنے چلا جاتا۔ شہود نے بس ایک بار فون پر زنیو سے بات کی تھی۔

"اگر ہم سیدھے امریکہ فلائی کر جائیں۔؟" شاید بہت مجبور ہو کر اس نے یہ بات کی تھی۔

"نہیں، میں چور نہیں ہوں اور امریکہ میری سسرال نہیں ہے۔ آپ نے مجھے عزت، احترام، وقار کے معنی سمجھائے تھے۔ مجھے بس وہی چاہیے۔" فون رکھنے کے بعد اس کی جبیں پر شکن ہو گئی مگر اس نے سوٹ کیس میں اپنے کپڑے رکھنے موقوف نہیں کیے۔ وہ سسرال جانے کی پوری تیاری کر رہی تھی۔

مسرور خود ہی چچی اماں کے گھر چلا گیا۔ شہود نہیں تھا۔ چچی اماں کا رویہ وہی زمین جنبد نہ جنبد گل محمد۔ مگر وہ رو رہی تھیں۔

"مجھے جھوٹا بنا دیا۔ میری اولاد ہو کر میرے اوپر زور، زبردستی..... عاق کر دوں گی اسے، نالائق اولاد۔"

صاف ظاہر تھا۔ وہ پسپا ہو گئی تھیں مگر ماں کی انا کو بلند رکھنا بھی ان کا حق تھا۔

عاق کرنے کے لیے ان کے پاس تھا ہی کیا۔ پرانا گھر جس میں شہود کی کمائی کا نیا سامان بکھرا ہوا تھا۔

منصور نے آ کر اطلاع دی۔ "شہود بھائی جمعے کی

شام کو آ رہے ہیں۔ چالیس آدمی ان کے ساتھ ہوں گے۔ انہوں نے صرف چائے کے لیے کہا ہے۔ رات کو ڈنر پر سب رشتے دار ہوں گے۔ ہوٹل میں بکنگ ہو چکی ہے۔"

شمائلہ حسد سے تلملا رہی تھی۔ "لو بھئی، زنیرہ بیگم کے بھاگ جاگے۔" مسرور کو وہ برابر اکسا رہی تھی۔ "منصور کے ذریعے ہر بات ہو رہی ہے۔ آپ کو تو شہود بھائی نے بھی دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔ اب تو جو ہے منصور ہے۔ خالہ کا لاڈلا۔ کہے دے رہی ہوں۔ آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آنے دو بارات، کہہ دیں گے ہمیں کب کسی نے کچھ بتایا۔"

♥ ♡ ♡ ♥

جمعہ کی صبح اماں نے مسرور کو پاس بلا کر اس کے فرائض یاد دلائے اور کچھ ہدایات دیں۔ پھر اسے اپنے کمرے میں جانے کی مہلت نہ ملی۔ کتنا بھی ناراض سہی۔ مگر موقعہ ایسا تھا۔ اپنی نالائقی کا ثبوت خود پیش کرنے کی جرات نہ تھی۔ بہت سے کام کرنے تھے۔

منصور کے ساتھ وہ ہوٹل گیا۔ جہاں سے زنیرہ کو رخصت ہونا تھا۔ منصور نے بہترین انتظام کر رکھا تھا۔ پھر وہ دونوں گھر آ گئے۔ جہاں زنیرہ کے آفس کے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ اس کی یونیورسٹی کی تمام دوست رودابہ کی سہیلیوں نے ڈھولک سنبھالی ہوئی تھی۔ ہر سمت قہقہے، چہچہے مکمل شادی کا جگمگاتا ہوا پر شور ماحول تھا۔ بڑے سے صحن میں کرسیاں مہمانوں سے فل ہو چکی تھیں۔ زنیرہ کی ایک بیوٹیشن دوست اس کا میک اپ کر رہی تھی۔ شہود کے دوستوں کی بیگمات 'بری' لے آئی تھیں۔ وہ بھی زنیرہ کے کمرے میں گھسی مشورے دے رہی تھیں۔

یہاں تک کہ ناک چڑھی شمائلہ بھی زرق برق لباس میں تیار تھی۔ ہوٹل جانے کے لیے آفس کی بڑی بڑی گاڑیاں آئی ہوئی تھیں۔ ایم ڈی کی سجی ہوئی کار میں زنیرہ کو ہوٹل لے جایا گیا۔ ہر طرف مووی کیمروں کی روشنیاں رونق میں اضافہ کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد بارات آ گئی۔ شہود بے حد شاندار دولہا بنے تھے۔ زنیرہ کی ٹکر کے۔ شاید ہی اس ہوٹل والوں نے اتنا حسین جوڑا کبھی دیکھا ہو۔ تیمور گو کہ بھائی کے ساتھ تھا۔ مگر بجھا بجھا سا شاید اپنی اماں کی وجہ سے جو بارات کے ساتھ نہیں آئی تھیں۔ طبیعت کی خرابی کے باعث گھر پر تھیں۔

باقی سب رشتے دار شریک ہوئے تھے۔ رخصتی کے وقت دونوں بھانجے دائیں بائیں موجود تھے۔ اماں بہت رو رہی تھیں۔ اس لیے بارات کی روانگی کے بعد منصور اماں اور رودابہ کو گھر چھوڑ گیا۔ اسے ہوٹل میں ابھی کام تھا۔ مسرور اور شمائلہ دولھا دلہن کے بعد بارات کے ساتھ چلے گئے۔

شہود چچا زاد تھا۔ اس لیے بھی اور شمائلہ کو چٹ پٹی خبروں کی تلاش تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ چچی اماں جو اس قدر خفا تھیں اور ڈنکے کی چوٹ کہہ کر آئی تھیں کہ زنیرہ ان کی چوکھٹ نہیں پھلانگ سکتی۔ وہ اب کیا کریں گی۔ لیکن اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ چچی اماں کا چہرہ کچھ اترا اترا تھا۔ مگر انہوں نے بہو کو خود کار سے اتارا اور پھر شہود کی دوستوں کی بیگمات اسے حجلہ عروسی میں لے گئیں۔ جہاں تصویریں بنائی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد دوسرے لباس اور میک اپ کے بعد ڈنر کے لیے جانا تھا۔ مسرور اور شمائلہ کو بھی تیاری کرنی تھی اس لیے گھر آ گئے۔

منصور آیا تو بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ ڈنر پر جانے کے بجائے سونے کی تیاری کرنے لگا۔ رودابہ نیا جوڑا پہن کر تیار تھی۔ اسے رونا آ رہا تھا کہ وہ کیسے جائے گی۔

اماں کو فکر ہوئی کہ کہیں وہ کارچوبی دوپٹہ چبا کر برباد نہ کر دے۔ اماں خود بھی گھر پر تھیں۔ اسے مسرور اور بھابھی کے ساتھ جانا پڑا۔ رات ڈیڑھ بجے ان کی واپسی ہوئی رودابہ اماں کو وہاں کے سنسنی خیز واقعات سنا رہی تھی اس کے جوش و خروش میں بات لمبی ہو رہی تھی۔ اماں سو بھی گئیں۔

ساری فکریں، الجھنیں، خدشے کہیں کونے کھدروں میں جا سوئے۔ وہ ماں باپ اور شوہر کی روح کے سامنے سرخرو ہو گئی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

اگلے دن جب شہود اور زنیرہ ملنے آئے۔ تو کئی رشتے دار بھی آئے ہوئے تھے۔ مسرور، منصور، افتخار، شہود لوگوں نے اپنی الگ پارٹی بنالی تھی۔ خوب لطیفے اور قہقہے گونج رہے تھے۔ دراصل روداب ان کے مذاق کا نشانہ تھی۔ جو اماں کی پیٹھ سے لگی اپنی بلی جیسی آنکھوں سے گھور رہی تھی۔ اور سب سے زیادہ منصور کی آنکھوں سے برستی چنگاریوں کا نشانہ تھا۔ مسرور کے سامنے وہ زیادہ بول نہیں سکتی تھی۔

اب اماں کا زوردار تھپڑ اس کی کمر پر لگا۔ تو اس کی ... گئی وہ اچھل پڑی تھی۔ سب متوجہ ہوئے۔ تو اماں نے کہا۔ "کمبخت میرا نیا دوپٹہ چبا گئی۔"

"ایک بکری ہے ہمارے گھر میں۔" منصور نے کہا۔ تو قہقہہ پڑا۔ اماں اپنے دوپٹے کا آنچل تاسف سے دیکھ رہی تھیں۔ جو روداب کے دانتوں تلے آ کر ... ہو چکا تھا۔

"چار دن اور میں یہاں مہمان ہوں۔" زنیرہ منصور کو بتا رہی تھی "چار دن بعد میں شہود کے ساتھ ہی امریکہ چلی جاؤں گی۔ کیونکہ ان کے پاس بس اتنا ہی وقت ہے۔ وہ میرے کہنے پر آ تو گئے۔ مگر رک نہیں سکتے اور یہ چار دن مجھے سسرال میں ہی رہنا ہے۔ اپنی ساس کے پاس، ساس کے ساتھ۔" وہ شوخی سے کہہ رہی تھی۔

"واہ رے۔ ٹھاٹھ ہیں خالہ کے۔ مگر کیا کچھ دن آپ اور ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتیں؟" منصور شرارت سے بولا۔

"شہود نے تو کہا تھا کہ تم رکنا چاہو تو رک جاؤ۔ مگر میں تم لوگوں کے ساتھ کافی عرصہ رہ چکی ہوں اور ساس کے ساتھ کافی عرصہ نہیں رہ سکتی۔ اگلی بار آؤں گی۔ تو سب جگہ رہوں گی۔ انشاء اللہ تم اس وقت تک سیٹ ہو چکے ہو گے اور میں تمہیں ایک اچھی جاب پر اچھی سی لڑکی کے ساتھ۔ جو خواہ خوب صورت نہ ہو، خوب سیرت ہو۔ جو آپا کی خدمت نہ بھی کرے۔ قدر ضرور کرے۔ عزت کرے۔ خدمت کے لیے تم کافی ہو۔"

زنیرہ نصیحتیں کرتی رہی، روداب کو بھی سمجھایا اور سب کو اداس چھوڑ کر وہ شہود کے ہمراہ جہاز میں جا بیٹھی۔ وہ خود بھی بمشکل آنسو چھپا رہی تھی۔ مگر یہاں تو سب، یہاں تک کہ مسرور بھی افسردہ تھا۔

وہ جو سب کی رازداں تھی۔ سرپرست تھی۔ بہادر تھی۔ ناصح اور بوجھ بجھکڑ تھی۔ جا چکی تھی اور کئی برس میں پھیلی ہوئی کہانی خوشگواری پر اختتام پذیر ہوئی۔ اس کے جانے کے بعد چچی اماں نے اپنی بے بسی اور مظلومیت کے رونے روئے۔ شہود نے ماں کا مان توڑا اور زنیرہ سے کیے وعدے پر عمل کر کے اتنا خرچہ کر ڈالا۔

"وہ کہتا تھا۔ میں صرف اس لیے جھوٹا نہیں بن سکتا کہ سامنے میری ماں ہے۔ میں نے خدا رسولؐ کی گواہی میں اسے اپنایا تھا، اس لیے مجھے زنیرہ کو ہی لانا ہے۔ چچا سے وعدہ کیا تھا۔ ان کی روح سے شرمندہ ہونا گوارا نہیں۔ پہلا فرض اس عہد کو پورا کرنا ہے۔ اگر آپ نے کچھ غلط بیانی کی۔ یا بے جا طور پر چچی اور زنیرہ پر دباؤ ڈالا تو میرے اس عمل سے سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ مجھے اس کی تلافی کرنی ہے تاکہ سب کچھ ماضی کا حصہ بن جائے اور کسی کو یاد نہ آئے۔ میں تلافی نہیں کروں گا۔ تو مجرم کہلاؤں گا۔ ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے۔ ہاتھ پیر سلامت ہیں۔ ہم محنت کر سکتے ہیں اور میں نے آپ کے آرام کے لیے گھر بھر دیا ہے۔ لو سنو یہ احسان جتاتا تھا۔ آخر کر ڈالی اپنی سی۔ میں نے تو صاف کہہ دیا۔ میں کسی بڑے گھر کی لڑکی لانا چاہتی تھی۔ تو اسے اور بھی پتنگے لگے۔"

چچی اماں ہر آئے گئے کو پوری داستان سناتیں۔ "ہم نے نہیں سنا کہ اپنے عہد کی خاطر ماں کا دل دکھائے کوئی۔" چچی اماں بیٹے سے ہارنا نہیں چاہتی تھیں۔ مگر بیٹا ان ہی کا تھا۔ اپنے عہد پر، وعدے پر ثابت قدم۔ ذرا نہیں ڈگمگایا ورنہ انہوں نے کون سی دھمکی نہیں دی۔

"اور تیمور کے لیے آپ کوئی شرط نہیں لگائیں

گی۔“ اس نے تنبیہہ کی۔ یہ بات ان کے دل پر خنجر کی طرح جا کر لگی۔

”حکم چلاتا ہے ماں پر۔ اتنا سا چھچھوڑا۔ پال پوس کر جوان میں کروں۔ مالک بن جائے وہ فتنی اور اس جوان بیٹے کا بہاؤ دیکھو۔ کیسے حکم دے گیا۔ ماں کے رتبے کو جیسے پہچانتا ہی نہیں۔ چھوٹے کو بھی اپنا جیسا سمجھتا ہے۔ ارے وہ میرا تابعدار بیٹا ہے۔“

بھول چکی تھیں کہ بڑے کو بھی تابعدار سمجھتی تھیں۔ ”دیکھنا ذرا‘ کیسا بدلہ لیتی ہوں۔ ماں تو ماں خالہ کا کلیجہ بھی شق ہو جائے گا۔ بھائی تڑپیں گے میں وہ ہستی ہوں جو اپنی ذلت بھولتی نہیں۔ ایسا تڑپاؤں گی کہ قبر میں باپ کی روح بھی تڑپ اٹھے گی۔“ وہ بلند آواز سے اپنے ارادوں کا اظہار کرتی رہیں۔

انہیں ڈر ہی کس کا تھا۔ نندیں افسوس کے عالم میں ان کے ارشادات سنتی رہیں۔ بڑبولی تو وہ ہمیشہ سے تھیں۔ مگر اب بیٹے کے ہاتھوں زخم کھا کر ناگن کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ خدا کو بھول کر خود ہی خدائی کے دعوے کر رہی تھیں۔

پہلے بھی اپنے ارادوں میں ناکام ہو چکی تھیں۔ اب پھر چھوٹے بیٹے کے ذریعے انتقام لینے کے منصوبے بنا رہی تھیں اور جانتی تھیں کہ یہ نندیں ان سے کبھی خوش نہیں رہیں۔ لیکن چونکہ ان کی جٹھانی کے اخلاق اور خلوص کی ہمیشہ گرویدہ تھیں۔ انہیں سنا کر اپنا جی ہلکا کر رہی تھیں۔ رشتے میں تو بڑی تھیں‘ اب حیثیت میں بھی کوئی ان کے ہم پلہ نہ تھا۔ اس لیے کسی کو گردانتی نہ تھیں۔

انہیں شہود نے بتایا نہ تھا کہ زنیو کے ایک درد بھرے ای میل نے اس کے ضمیر پر کیسے وار کیا۔ کہ وہ ماں کو اطلاع دیے بغیر آ گیا۔ وہ زنیو کو پسند کرتا تھا اور نکاح کے بعد تو رشتہ مستحکم ہو گیا تھا۔ پھر بھی اس نے کبھی غیر ضروری طور پر اس سے رابطہ نہیں کیا۔ ماں سے کہتا۔ ”رخصتی کی تاریخ مانگیں تاکہ میں بھی یہاں چھٹی کی کوشش کروں۔“ وہ کہہ دیتی تھیں۔ ”تمہاری چچی ابھی تیار نہیں ہیں۔ زنیو نوکری

کرنے لگی ہے۔ اسے بھی کمائی کا چسکہ ہو گیا ہے۔“ شہود کو علم تو ہو گیا تھا ماں کے مطالبے کا مگر اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

لیکن زنیو کے مایوسی میں ڈوبے سوال نے بے قرار کر دیا۔ اس نے ماں کی مخالفت کی پروا نہ کی۔ اس نے ایک بار بھی ان سے یہ نہیں کہا۔ اگر رخصتی نہ ہوئی تو وہ واپس چلا جائے گا کبھی نہ آنے کے لیے۔ نہ ہی یہ کہ زنیو نہیں تو کوئی نہیں پھر میں شادی کروں گا ہی نہیں۔ اس نے صاف طور پر کہہ دیا۔

”زنیو کو ہی آنا ہے۔ میں اپنے عہد کی تکمیل کی پابندی کروں گا اور میں اسے اپنے گھر میں لانا چاہتا ہوں۔ یہ میرا ارمان ہے کہ میری دلہن میرے گھر میں رخصت ہو کر آئے۔ ورنہ آپ کی مخالفت کے بعد میں اسے لے کر سیدھا امریکہ بھی جا سکتا تھا۔ یا وہیں سے ٹکٹ بھیج کر بلوا لیتا۔ مگر میں گھر کے بڑے بیٹے کی حیثیت سے اپنی شادی کا فنکشن اسی طرح دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا ہمارے گھرانوں کی روایت ہے۔ اپنی بیوی کو عزت و احترام سے اپنے گھر لانا میرا ارمان ہے۔“

اور چچی اماں کی سمجھ میں آ گیا۔

اگر وہ اس شادی میں شرکت نہیں کریں گی۔ تب بھی وہ اپنا پروگرام اسی طرح رکھے گا۔ اس پر کوئی دھمکی اثر ہی نہیں کر رہی تھی۔ تیمور نے انہیں سمجھایا اور نندوں نے بھی اس میں مصالحت کا کردار ادا کیا۔ وہ پسپا ہو گئیں کہ کوئی بھی ان کا ہم نوا نہ تھا۔ اب وہ بیٹھے بیٹھے غصے اور گرمی کا اظہار کرتی رہتی تھیں۔ یہ ان کی مجبوری تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

موسم ہر سال بدلتا ہے اور حالات بھی رفتہ رفتہ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی نامحسوس طریقے پر اور کبھی تیزی سے۔ حالات بدلنے کا کوئی ٹائم ٹیبل نہیں ہوتا۔ یوں لگتا تھا۔ زنیو کے چلے جانے سے۔ اس کا اپنا تو مستقبل سنور گیا تھا۔ شہزادے نے شہزادی کے سر میں کبھی آخری سوئی نکال کر اسے زندگی اور تازہ وجود

دیا تھا اور یہ بھی کم از کم اماں کے لیے بے حد طمانیت کا باعث تھا کہ بالآخر طوفان سے بچ کر کشتی کنارے لگی۔

شمائلہ کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ وہ اب اپنی مرضی کی پابند تھی اور اس کی زبان بھی مزید دھار دار ہو گئی۔ مسرور کو منصور کے خلاف اکسانا اولین ترجیح میں شامل تھا۔ منصور نے کئی جگہ انٹرویو دیے تھے۔ ایک اچھی اور پرکشش جاب کی امید تھی۔ اس کا رزلٹ بھی حسب توقع بہترین تھا۔ اسے کراچی میں ایک جاب کی آفر ہوئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کرنا پڑی کہ بھائی کے تیور دیکھ رہا تھا۔ ماں سے دوری اسے کب گوارا تھی۔ مگر اب بھائی پر بوجھ بننا بھی منظور نہ تھا۔

ماں کی دعاؤں‘ بہن کی توقعات کے حصار میں وہ کراچی روانہ ہو گیا۔ جاتے ہوئے نہ جانے کتنے اندیشے اور خدشے اسے بے چین کر رہے تھے۔ بہن اور بھائی دونوں سے اماں کا خیال رکھنے کی التجا کی تھی۔ منصور کے جانے سے واقعی تنہائی اور بے بسی نے اماں کو بیمار ڈال دیا۔ مجبوراً“ شمائلہ کو گھر کے کام کرنے پڑے۔ مگر وہ پابند نہ تھی۔ جب جی چاہا پکا لیا۔ ورنہ کھانا ملتا تو ناشتہ ندارد ناشتہ ملا تو کھانے کا کوئی وقت نہ تھا۔ روادبہ کالج سے آ کر الٹا سیدھا کچھ پکا لیتی تو ماں بیٹی کھاتے۔ ایک بار اس نے بھابھی سے کھانے کا پوچھ لیا تھا اور افسوس کے ساتھ کہا تھا۔

”بھابھی! تین بج چکے ہیں‘ اماں صبح سے بھوکی ہیں۔ ان سے اٹھا جاتا تو وہ کچھ نہ کچھ کر ہی لیتیں۔ آپ کو اماں کی بیماری کا تو خیال کر لینا چاہیے۔“

اس بات پر شمائلہ نے اسے تو جو کچھ سنائی تھیں۔ مسرور سے الگ شکایت کی۔ مسرور نے اسے جواب طلبی کے لیے بلایا۔ بھائی کے سخت کھردرے لہجے نے اسے خوف زدہ کر دیا۔ وہ سکتے میں آ گئی۔

بھابھی نے اس کی شکایت میں حسب مراتب کا خیال بھی نہ رکھا تھا۔ وہ تو کبھی بھابھی سے بدتمیزی نہیں کرتی تھی۔ اس کے لب خاموش تھے اور آنکھیں برساتی نالہ بن گئیں۔ مسرور پر اس کا برا اثر

ہوا۔ اسے اپنے رویے پر افسوس ہوا۔ روادبہ کے خاموش آنسو خود اپنی گواہی تھے۔ وہ بڑا بھائی تھا۔ روادبہ بہت چھوٹی تھی اور کچھ عرصہ پہلے تک وہ اس کی لاڈلی بھی رہی تھی۔ مگر اب کچھ عرصے سے شمائلہ کی الٹی سیدھی شکایتوں نے اسے سب سے بدظن کر دیا تھا۔

وہ جانتا تھا‘ روادبہ نہ تو بدتمیز تھی نہ ہی چالاک۔ بڑے بھائی کے سامنے تو وہ بولتی بھی کم تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے سلوک کی تلافی کے لیے آیا تو روادبہ اماں کا سر دبا رہی تھی۔ ان پر کمزوری کا حملہ ہوا تھا اور سر میں شدید درد تھا۔ اس کی آنکھیں اب بھی بہہ رہی تھیں۔

”اماں کی طبیعت اب کیسی ہے؟ اماں! آپ نے کچھ کھایا؟“ وہ اماں کی نقاہت دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

”ٹھیک ہوں۔“ اتنا ہی بولا گیا اماں سے۔

”روادبہ! تم نے کھانا کھا لیا؟“ بھائی کے شفیق لہجے نے روادبہ کو حوصلہ دیا۔

”بھائی جان! کھانے کا ہی تو پوچھنے گئی تھی بھابھی سے۔ وہ خفا ہونے لگیں۔“

”اماں نے کھایا تھا کچھ۔“

”اماں کو اٹھتے میں چکر آتے ہیں۔ وہ کیسے کھاتیں۔ کچن تک کیا وہ تو باتھ روم بھی دیوار پکڑ کر جاتی ہیں۔ صبح انہوں نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔“

”اچھا‘ تم دودھ لے آؤ پھر۔“ شکایات کی لمبی فہرست نے بوکھلا دیا۔

”کچن میں دودھ نہ تھا۔ دودھ نہیں ہے۔“

”فریج میں ہو گا بیوقوف۔“ مسرور اماں کا سر دباتے ہوئے جھلایا۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ کیا بھائی جان کو علم نہیں۔ فریج تو بھابھی نے اپنے کمرے کی زینت بنا لیا تھا۔ پھر اسے یاد آ گیا۔

فریج سے دودھ اور فروٹ نکالے‘ شمائلہ نے جھپٹا مارا۔ ”یہ میں اپنے جیب خرچ سے منگاتی ہوں۔ رکھ دیں۔“

”جیب خرچ فرشتے دے جاتے ہیں۔“ وہ خفگی سے

سب اٹھانے لگا۔

"اماں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں دیا تم نے۔ روداب کالج سے بھوکی آئی ہے۔ کیا دونوں کو بھوکا مارنے کا تہیہ کرلیا ہے تم نے۔"

"سنو، اتنی بیوقوف نہیں ہوں میں۔ تمہاری ماں گھر کا خرچا لیتی ہیں۔ اسی میں سے پکتا ہے کھانا۔ آج کچھ تھا ہی نہیں۔ وہ سو رہی تھیں اور روداب...... کالج کی کینٹین زندہ باد۔ آخر آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا، آپ کی کمائی کہاں کہاں لٹائی جا رہی ہے۔ حد ہو گئی۔"

مسرور بیوی کی جہالت پر سر پیٹنے کے سوا اور کیا کرتا۔ لیکن جتانا بھی ضروری تھا۔ شرمندہ ہونے والی تھی نہیں۔ اس دن کے بعد روداب جس طرح ممکن ہوتا اماں کو ناشتہ کرا کے کالج جاتی اور کچھ میز پر رکھ جاتی۔ یا سہ پہر کو آکر جلدی جلدی بنا لیتی تاکہ بھابھی سے بات کرنے کی نوبت نہ آئے۔ خالہ اور منصور بھائی اس کی طرف سے کتنے مایوس تھے۔ اب دیکھیں وہ کس طرح ذمے داری سے ہر کام کرتی ہے۔ واقعی وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے۔

♥ ♡ ♡ ♥

ایک شام افتخار اپنے والد اظہار ماموں کے ساتھ آیا۔ تیمور بھی کچھ دیر بعد آگیا۔ افتخار کے نام منصور کا خط آیا تھا۔ وہی سنانے آیا تھا۔ تیمور زنیرہ کا خط لایا تھا۔ مسرور کو منصور کا خط افتخار کے نام پڑھ کر بڑا غصہ آیا۔ مگر سب کے سامنے کیا کہتا۔ روداب کو چائے کا کہا وہ کچن سے آگئی۔

"بھائی جان! چینی، چائے کی پتی کچھ نہیں ہے۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا کچن میں گیا۔ چائے، چینی یہاں تک کہ چینی کے برتن بھی الماری میں مقفل تھے۔ تیزی میں نکلنے لگا تو ڈسٹ بن سے ٹھوکر لگی۔ اسے سیدھا کرنے لگا تو کچرے میں دبا منصور کا خط نظر آیا۔ چٹکی سے پکڑ کر نکالا۔ اسی کے نام تھا۔ تقریباً اسی مضمون کا جو افتخار کے نام تھا شائلہ کے ہتھے چڑھ گیا اور اس نے ضائع کرنے کی کوشش میں ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

قدرت کس طرح بے خطاؤں کی بریت کرتی ہے۔ ناجائز کام کرنے والے کچھ سوچتے نہیں، مسرور نے شکر ادا کیا کہ منصور پر فرد جرم عائد کرنے سے پہلے اسے خط نظر آگیا۔ اب شائلہ کی شامت یقینی تھی۔ مگر اس نے چائے، چینی اور برتنوں کے بارے میں استفسار کیا۔

"ہاں، میں نے قفل چڑھایا ہے۔ ایرے غیرے نتھو خیروں کے لیے کوئی چائے نہیں بنے گی۔ ان ہی لوگوں سے چھپایا ہے۔"

اسے علم نہ تھا۔ آج پھر اس کا پرس مسرور کے ہتھے لگ جائے گا۔ کس قدر چھپا کر رکھا تھا۔ مگر مسرور اسے خالی کر گیا۔ چائے، چینی، بسکٹ، چپس کے پیکٹ اور دودھ کے بند پیکٹ کے علاوہ چند اچھی چائے کی پیالیاں بھی لا کر روداب کے حوالے کیں۔

"الماری کے لیے قفل لایا ہوں۔ سب چیزیں اس میں رکھو اپنے مہمانوں کے لیے۔ کسی کو دینے کی ضرورت نہیں۔ اب جاؤ، چائے بناؤ کیک بھی لایا ہوں۔ ماموں کتنے عرصے بعد آئے ہیں۔ فروٹ کی چاٹ بنالو ماموں کے دانت نہیں ہیں۔ نرم چیز کھا سکتے ہیں۔"

مسرور اتنا مہربان...... روداب کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ اسے علم نہ تھا وہ کس کس غلط فہمیوں کی تلافی کر رہا تھا اور یہ شائلہ کی سزا بھی تھی۔ شائلہ کو اپنی بے قدری پر رونا آرہا تھا۔

"ہائے سارے پیسے گئے۔ اپنی ماں کی خاطر کیسے ماتھے پر آنکھیں رکھ لیتے ہیں۔ پتا نہیں پیر صاحب کے تعویذ کبھی کبھی اس قدر بے اثر کیوں ہو جاتے ہیں۔"

اور تو اور دیسی مرغی لا کر پڑوسیوں کے حوالے کر دی کہ شام کو روزانہ دو بوٹیوں کی یخنی بنا کر ایک کپ لا کر دے دیا کریں۔ ان کا خانساماں بڑا فرماں بردار تھا۔ منصور سے اس کی خاصی دوستی تھی۔

مسرور خفا ہوتا تو اتنا ہی بے نیاز بن جاتا۔ اصل میں بیوی کی تو اترسے کی گئی شکایتیں اثر کر دیتی تھیں۔

اماں کی جانب سے کبھی کوئی شکوہ ملا ہی نہیں۔ ایک جانب سے مسلسل تکرار کبھی سچائی بن جاتی تھی۔ اس کی مہربانی اور توجہ کچھ عرصے کے لیے تھی۔ شائلہ نے جلد ہی اس کے بے قابو جذبات پر قابو پالیا۔

اب وہ رفتہ رفتہ اسے مستقبل کی بہتری کے راستے دکھا رہی تھی اور اس میں کوئی برائی نہ تھی۔ مسرور نے بھی اس کے بار بار تقاضے پر اماں سے کہہ دیا کہ اپنے حصے کا گھر اس کے نام کر دیں۔

"بیٹا! میرے مرنے کا انتظار کرلو۔ تمہارا ہی ہو جائے گا خود بخود۔"

اماں پر یکایک نقاہت کا دورہ پڑ گیا۔ سانس پھولنے لگا۔ مسرور گھبرا گیا۔ دراصل پریشانی تو یہ تھی کہ آدھا حصہ تو منصور کے نام ہو گیا۔ اماں کے حصے میں بھی ظاہر ہے منصور حصہ دار ہو گا اور روداب بھی۔ شائلہ چاہتی تھی۔ اماں کا پورا حصہ مسرور کو مل جائے۔ روداب کو ضرورت کیا ہے۔ اس کی سسرال میں تو گھر ہے ہی۔ زیادہ ضرورت ہمیں ہے۔ مگر مسرور اماں سے کہہ نہ سکا۔ اب پھر اس نے بے گانگی کا رویہ اختیار کر لیا تھا۔

اماں کی طبیعت کی خرابی سے پریشان ہو کر روداب نے افتخار کو فون کر دیا۔ وہ ڈاکٹر کو لے کر آگیا۔ اس دن کے بعد سے روز افتخار آکر اماں کی دوا علاج دیکھ بھال کرنے لگا۔ کبھی صبح کبھی دوپہر جب بھی موقع ملتا۔ کبھی کبھی تیمور بھی آکر زنیرہ اور شہود کی خیریت بتا جاتا۔ زنیرہ کا فون بھی آتا تھا۔ بہن سے بات کر کے ادھر وہ مطمئن ہوتی ادھر اماں بھی شکر ادا کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے کس درجے فکر سے آزاد کر دیا تھا۔ لیکن انسان کبھی بھی انسان کو سکھ کا سانس لینے نہیں دیتا۔ صفیہ پھپھو نے آکر بھابھی جان کے ارادے گوش گزار کیے تو وہ پریشانی سے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

"بھابھی! بہتر ہے، آپ روداب کے لیے کوئی اور رشتہ تلاش کرلیں۔ میں تو مطمئن نہیں ہوں۔ وہ کچھ بھی کر سکتی ہیں اور تیمور ان سے ڈرتا بھی ہے۔"

"ہاں، وہ شہود جتنا مضبوط نہیں۔ چھوٹا ہے نا ابھی تک۔"

اماں جو سوچ رہی تھیں کہ روداب کے بی اے کرتے ہی شہود اور زنیرہ کو بلا کر اس فرض کو بھی ادا کر کے ہر فکر سے آزاد ہو جائیں گی۔ بلکہ ممکن ہوا تو منصور کی بھی ساتھ ہی شادی کر دیں گی۔ انہیں بھابھی جان کے ارادوں کی پختگی کا علم تھا اور اتنے دن جو زنیرہ کو انہوں نے لٹکائے رکھا تھا۔ اس میں ان کے استقلال کا ہی دخل تھا۔ شہود کو بتاتی تھیں، ادھر تیاری نہیں ہے۔ وہ جھنجلا تا کہ اسے کچھ نہیں چاہیے۔ لیکن ادھر ان کے مطالبے زور پکڑتے جاتے اور تیمور تو یوں بھی ابھی عملی زندگی سے دور تھا۔ اسٹوڈنٹ تھا۔ بھائی کا دست نگر۔ ماں کے پاس رہنے سے ان ہی کا ہو۔ اب روداب کے لیے وہ رشتہ کہاں تلاش کریں۔ سب کو علم ہے وہ تیمور سے منسوب ہے۔ خاندان والے بھابھی جان سے ڈر کر ان کے در پر کبھی نہیں آئیں گے۔

منصور دور جا بیٹھا، زنیرہ اب ان کی دسترس میں نہیں۔ مسرور خود ساختہ فاصلے سنبھالے بیٹھا ہے۔ کس سے مشورہ کریں۔ ابھی وہ کوئی راستہ تلاش نہیں کر سکی تھی کہ مسرور نے خود ہی ذکر نکالا۔

"روداب انٹر کر چکی ہے۔ بی اے بھی ہو تا رہے گا۔ چچی اماں کو زنیرہ کے پائے کی بہو نہیں چاہیے۔"

"مگر میں ابھی تیار نہیں۔ اسے پڑھنے دو۔" اماں سے یہی کہا جا سکا۔

"بعد میں پڑھ سکتی ہے اور یوں تو تیمور بھی پڑھ رہا ہے مگر چچی اماں کو جلدی ہے۔" اماں کی بے توجہی دیکھ کر آخر کار اسے کہنا پڑا۔ "اب میں آپ کو کیسے بتاؤں۔ مہنگائی اتنی بڑھ گئی ہے۔ میں اس کی فیس اور قیمتی کتابوں کا بار نہیں اٹھا سکتا۔ نہ ہی اس کا خود کا بوجھ۔"

"کیا کہہ رہے ہو مسرور! ایک بہن بوجھ ہے تم پر...... بوجھ...... کتنی غلط سوچ ہے تمہاری۔" اماں تو اس کی صاف صاف بات سن کر دم بخود تھیں۔

"اماں! بہن اور بیٹی بوجھ ہی ہوتی ہے۔ ایک قرض کی طرح۔ جسے جتنی جلد اتار سکیں۔ اتارنا چاہیے

آگے کچھ پتا نہیں کہ۔"

"بس آگے کچھ نہ بولنا۔" وہ رونے لگیں۔ مسرور نے زور نہ دیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

منصور کی طرف سے منی آرڈر آنے سے فیس اور کتابوں کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ جب روداب کالج جانے کے لیے تیار تھی۔ مسرور مجھے جلدی ہے کہہ کر روداب کو چھوڑ گیا۔ حالانکہ کالج تو آفس کے راستے میں تھا۔

پھر روز ہی وہ اکیلا چلا جاتا۔ افتخار کی مدد سے وین کا انتظام ہو گیا۔ منصور کے ساتھ تو روداب لڑتی جھگڑتی رہتی تھی۔ مذاق کر لیتی تھی۔ بلکہ اسے ڈانٹ لیتی تھی۔ لیکن مسرور سے تو کچھ احتراماً بھی جھجکتی تھی اور کچھ منصور اسے بھائی جان کا ڈراوا دیتا رہتا تھا۔ لیکن پھر بھی بات کر لیتی تھی۔ اس بار ان کا رویہ بے گانگی اور لاتعلقی کا تھا۔ وہ رویوں کو سمجھنے لگی تھی اس لیے ڈر گئی۔

اس دن صبح اس نے اماں کو بتایا۔ "کل تیمور بھائی نے کہا تھا کہ چچی اماں کو مجھ سے کوئی خاص کام ہے۔ میں نے کہہ دیا کہ میں واپسی میں آجاؤں گی۔ دوپہر کو۔"

"نہیں کیا کام ہے۔ بتایا نہیں تیمور نے۔" اماں چونک گئیں۔

"نہیں بلکہ وہ کہہ رہے تھے کہ میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔ چچی اماں انتظار کریں گی میرا۔ اماں! کالج سے واپسی میں چلی جاؤں؟؟"

اماں کچھ پریشان ہو گئیں۔ "ایسا کون سا خاص کام ہے۔ تم آج رہنے دو۔ کل میرے ساتھ چلنا۔"

"اماں! آپ کی طبیعت......"

"طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

"اماں! میں نے وعدہ کر لیا ہے۔ چچی اماں کو برا لگے گا۔"

"لگنے دو۔ مگر آج تم نہیں جاؤ گی۔" اماں سختی سے بولیں۔ روداب چپ ہو گئی۔ اسے چچی اماں سے کوئی خاص رغبت نہ تھی۔ ان کی تیز نوکیلی۔ چبھنے والی باتیں اور اماں سے ان کا برا سلوک۔ وہ بھولی نہیں تھی۔ لیکن تیمور نے بہت اصرار سے اسے بلایا تھا۔ اب اماں منع کر رہی تھیں۔

بھابھی حسب معمول کمرہ بند کیے سو رہی تھیں۔ فون بھی کیسے کرتی کہ آج نہیں آسکتی۔

لیکن چچی اماں جو منصوبہ بنائے بیٹھی تھیں۔ اس پر عمل کرنے میں انہوں نے ایک سیکنڈ کی دیر نہ کی۔ گھر گھر جا کر انہوں نے یہ اطلاع فراہم کر دی کہ میں گھر میں نہ تھی اور روداب کو معلوم ہو گیا تو وہ تیمور سے ملنے آگئی۔ تیمور گھر میں اکیلا تھا۔ ہے ہے۔ وہ تو شادی کے لیے بے قرار ہے اور اماں جان کی معصومیت دیکھو' وہ اسے بچی سمجھ رہی ہیں۔ ارے بھائی خاندان والو! تم کس دن کام آؤ گے۔ مجبور کرو انہیں۔ جلدی سے رخصت کریں۔ کہیں لڑکی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ مجھ بڈھی کو کیا پتا وہ اور کہاں کہاں ملتے ہیں اور وہ اور کس کس سے ملتی ہو گی۔ کہیں کوئی گل نہ کھلا دے۔"

بطور خاص کوئی بات پھیلائی جائے تو اسے تو خوب خوب تشہیر کے راستے مل جاتے ہیں۔ جو لوگ چچی اماں سے' ان کی عادات سے واقف تھے۔ انہیں تو یقین نہیں آیا۔ مگر جنہیں یقین آیا بھی ہو گا۔ وہ بہرحال چپ رہے۔

مگر مسرور بے دھڑک اماں کے پاس پہنچ کر جس طرح کی خبر اسے ملی تھی۔ اسی غضب ناک انداز میں دہرا کر اماں کو قہر بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ گویا سارا قصور ان کا تھا اماں سنبھل کر بیٹھیں۔

"تمہاری چچی کا بلاوا آیا تھا۔ روداب کو کسی خاص کام کے لیے انہوں نے بلایا تھا۔ مگر میں نے جانے نہیں دیا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی ہیں۔ جھوٹ ہے۔ بہتان ہے۔ تیمور سے پوچھ لو۔ اس نے ہی۔"

"اچھا۔ بہن کی رسوائی کی داستان اسی کردار سے سنوں۔ جو اس کا ایک حصہ ہے۔ واہ اماں آپ بھی کمال کرتی ہیں۔"

"میں کہہ رہی ہوں۔ وہ نہیں گئی۔ جبکہ اسے تیمور نے اماں کا نام لے کر کہا تھا کہ وہ انتظار کریں گی۔ تم [illegible] ثانیہ سے پوچھو۔ کیا وہ چار دن سے گھر [illegible]"

"چار دن سے پہلے کیا کالج نہیں گئی تھی؟ کالج ٹائم میں بھی جا سکتی ہے۔ کیوں آپ اس کی سائڈ لے رہی ہیں۔ چھوڑیں بحث۔ شادی کی تاریخ دے دیں۔ پھر یہ قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟ الزام سچ ثابت کروں؟ روداب سے پوچھ لو کہ وہ کس دن ان کے گھر گئی تھی۔" مسرور نے روداب کو بلا کر پوچھا۔

وہ الجھ کر بولی۔ "چچی اماں نے بلایا تھا مگر میں کیسے جاتی۔ اماں نے کہا میں لے چلوں گی۔ پھر کوئی نہ کوئی کام ایسا نکلتا رہا کہ جانا ہوا ہی نہیں۔" مسرور کو روداب کی بات کا یقین آ گیا۔ لیکن وہ سب کو تو نہیں سمجھا سکتا تھا۔

صفیہ نے بھی فکر مندی سے یہی مشورہ دیا کہ "تاریخ دے دیں۔ ورنہ وہ نہ جانے کیا حشر ڈھائیں گی۔"

"صفیہ! یہ تم کہہ رہی ہو۔ تم نے ان کے ارادوں کی جھلک مجھے دکھائی تھی۔ کیا میں پھر بھی اور ان کی پھیلائی ہوئی خبروں کے بعد......"

"بھابھی! یقین کریں۔ کسی کو بھی ان کی بات کا اعتبار نہیں۔ سب یہی کہتے ہیں کہ کبھی روداب کو کہیں دیکھا ہی نہیں اور کوئی گواہ بھی نہیں جو کہہ سکے کہ روداب ان کے گھر گئی تھی۔ اس کے باوجود آپ جانتی ہیں کہ کوئی خاندان والا تو آگے نہیں بڑھے گا۔"

"ہاں' یہ بھی ہمارے معاشرے کا المیہ ہے۔ جھوٹ کو سچ۔ نیک کو بد بنا دینا اور کتنے بے بس ہیں ہم۔" اماں پر تو پہاڑ ٹوٹا تھا۔ بیٹی کی بدنامی۔ خواہ وہ اس کی پارسائی کے لیے حلف اٹھالیں۔ مگر کسی کو یقین نہیں دلا سکتیں۔

"سب سمجھتے ہیں' یہ غلط ہے۔ مگر کوئی بولے گا نہیں کہ خبر پھیلانے والی ہستی خاصی معزز اور محترم ہے۔"

صفیہ کا کہنا تھا "بات یہیں تک نہیں رہے گی۔ اس سے پہلے کہ غیروں تک پہنچے۔ اسے یہیں دبا دیں۔ تیمور کے ساتھ شادی کر کے یا پھر کہیں بھی....."

ادھر مسرور کا غصہ عروج پر تھا۔ روداب کو کالج جانے سے منع کر دیا۔

"اب اور کیا گل کھلانے کا ارادہ ہے۔ بیٹھو گھر میں۔ بہت پڑھ لیا۔"

روداب نے بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "بھائی جان! آپ تیمور بھائی کو بلا کر میرے سامنے پوچھیں۔ جب چچی اماں نے مجھے کام کے بہانے بلایا تھا۔ تو میں گئی تھی؟؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ مسرور کو اس پر ترس آ گیا۔ مگر وہ کیا کرتا؟

ایسے موقع پر تو بھائیوں کے ہاتھوں' بہنوں کا خون ہو جاتا ہے۔ غیرت کا معاملہ تھا۔ لیکن اسے اندازہ تھا کہ وہ لوگ کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں۔

"اماں! اماں! نانا جان آئے ہیں۔" مسرور اماں کے بزرگ چچا کو پکڑ کر لا رہا تھا۔ اماں کو محسوس ہوا۔ فرشتہ رحمت نے قدم رکھے ہیں۔ جیسے ہزیمت اٹھانے والی فوج کو کمک مل گئی۔ دل کو تقویت سی ہوئی۔

چچا ان کے اپنے تھے۔ وہ ان سے دل کی بات کہہ لیتی تھیں۔ زینو کی مرتبہ بھی ان کی رائے پر عمل کر کے سرخرو ہوئی تھیں۔

"کئی دن سے خواب میں تمہیں پریشان دیکھ رہا تھا۔ میں نے بیٹے سے کہا مجھے اپنی بیٹی کے پاس پہنچا دو۔" انہوں نے اماں کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا تو اماں ضبط نہ کر سکیں۔ ان سے لپٹ کر رونے لگیں۔

چچا ضعیف ہو چکے تھے۔ مگر صحت قابل رشک تھی۔ دل دماغ بھی صحیح کام کر رہے تھے۔ مسرور آفس چلا گیا۔ کچھ دیر بیٹھ کر چچا بھی چلے گئے۔

اماں نے ٹیلی فون سیٹ اپنے کمرے میں منگا لیا اور کسی سے بات کرنے لگیں۔ ان میں نئی طاقت آ گئی تھی اور سارا خوف و تفکر غائب ہو چکا تھا۔ کوئی مددگار ہو۔ کوئی ڈھال ہو' کوئی ہمدرد بہی خواہ ہو۔ پھر کیسی

کمزوری کہاں کی پسپائی۔

مسرور نے آتے ہی نانا کے بارے میں سوال کیا۔

"کیوں جانے دیا ابھی۔ میں ان سے بھی رائے لینا چاہتا ہوں۔ وہ ہمارے اپنے ہیں۔ آپ کے میرے خیر خواہ ہیں۔ صحیح رائے دیں گے۔ دراصل چچی اماں اگلے جمعے کو آنا چاہتی ہیں نکاح کے لیے۔ آپ کی اجازت ہو تو رخصتی بھی' اماں دیکھیں۔ خفا نہ ہوں۔ اتنی بدنامی ہو چکی ہے۔ یہ تو چچی اماں کی مہربانی ہے کہ وہ فوری طور پر اس قصے کو دبا دینے کے حق میں ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے مسرور! بہت مہربان ہیں وہ مگر میں۔" اماں رک گئیں۔

"اماں! دیکھیں۔ رودابہ بچی نہیں ہے۔ نہ ہی تیمور اتنا نادان ہے۔ یہ لوگ اپنی زندگی خود ہی بنا سکتے ہیں۔ آخر زنیرہ نے بھی چچی اماں کی مخالفت کے باوجود من مانی کی تھی۔ چچی اماں کا کیا زور چلا۔ زنیرہ کو بدنام کرنے میں کون سی کسر چھوڑی تھی انہوں نے پھر کیا ہوا ہار گئیں۔"

"زنیرہ کا نکاح ہو چکا تھا اور شوہر کو اس پر بھروسا تھا۔ تف ہے تم پر' بہن کی رسوائی کرنے والوں کے آگے سر جھکا رہے ہو۔ میری بچی کا تماشا لگاؤ گے۔ کل وہ کہیں گی۔ میں نے اس بدنام زمانہ لڑکی پر عزت کی چادر ڈالی۔ ورنہ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔" اماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

اگلا دن تو عجیب ہی تھا۔ رودابہ کتابیں لے کر خالہ والے کمرے میں آ بیٹھی۔ وہ رنجیدہ تھی مگر اپنی بے گناہی کا یقین تھا۔ وہ سمجھتی تھی' یہ سب وقتی قصے کہانی ہیں۔ تیمور بھائی آکر اس کی گواہی دیں گے۔ تو سب ٹھیک ہو جائے گا اور اسے کالج جانے کی اجازت مل جائے گی۔ پڑھتے پڑھتے نیند آ گئی۔

حیرت تو جب ہوئی کہ جب وہ جاگی۔ اماں نے اسے اٹھایا بھی نہیں۔ اور کمرے سے نکل کر اس نے دیکھا۔ گھر میں بھانت بھانت کے لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہے۔ آنکھیں بند کمرے کی تاریکی کی عادی ہو گئی تھیں نیند کا خمار بھی تھا۔ اس نے آنکھیں ملیں۔

"کیا ہو گیا؟" وہ پریشان ہو گئی۔ مگر مہمانوں میں پریشانی والی کوئی خبر نہ تھی۔ شمائلہ لپکی آئی۔ وہ بھی ابھی آوازوں سے جاگی تھی۔ رودابہ سے پوچھنے لگی۔

"یہ سب کیوں جمع ہوئے ہیں؟" رودابہ خود حیران تھی' وہاں اماں کے قریبی رشتہ دار بھی نظر آئے اور ابا کے بھی پھر اسے صفیہ پھپھو نظر آئیں۔ مگر اس کے سوال کرنے سے پہلے ہی وہ خفا ہونے لگیں۔

"یہ تم کس حلیے میں پھر رہی ہو' چلو نہاؤ۔" انہوں نے اسے باتھ روم میں دھکیلا۔

وہ نہا کر نکلی تو عزیزہ پھپھو آ گئیں۔ مہمانوں کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی۔

"یہاں کہاں گھوم رہی ہو۔ چلو اپنی اماں کے پاس۔ وہ بلا رہی ہیں۔" عزیزہ پھپھو اسے اماں کے پاس لے آئیں۔ اماں کے سامنے وہ بڑا بکس کھلا پڑا تھا۔ جسے کھولنے ہاتھ لگانے کی رودابہ کو اجازت نہ تھی۔

دردانہ آپا بکس کے کپڑے نکال نکال کر پلنگ پر رکھ رہی تھیں۔

"یہ ٹھیک ہے؟"

"نہیں وہ والا۔ آتشی گلابی۔"

"ارے وہ میرون ٹھیک ہے۔ اس کے دوپٹے کا کام اچھا ہے۔" وہاں موجود خواتین بڑھ بڑھ کر رائے دے رہی تھیں۔

اچانک اماں نے اسے پاس بٹھا کر خواتین سے کہا "بچیو! تم ذرا باہر چلی جاؤ۔ مجھے اپنی بیٹی سے بات کرنا ہے۔" سب کے باہر نکلتے ہی اماں کا ہاتھ اس کی پیٹھ پر آن ٹھہرا۔

"رودابہ! میں کسی تمہید کے بغیر تمہیں آگاہ کر رہی ہوں۔ آج۔ ابھی تمہارا نکاح افتخار کے ساتھ ہو رہا ہے۔"

لفظ تھے کہ پتھر۔ لہجہ تھا کہ خنجر کی دھار۔ جذبات سے عاری آواز۔ اماں کس قدر اجنبی تھیں اس پل۔ رودابہ کے پور پور سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ یوں جیسے زخموں سے خون رس رہا ہو۔ وحشت زدہ نظریں اماں پر مرکوز کر دیں۔

"اماں۔" آواز اس کے گلے میں پھنس گئی۔

"جو کہنا ہے وہ کہو۔ رونا ہے تو جی بھر کر رو لو۔ میں اپنی بیٹی کا گلا کاٹ سکتی ہوں اس کی رسوائی ثابت ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔"

"اماں! میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ آپ قسم اٹھوا لیں۔ حلف۔" گلا بند ہو گیا۔

"بعض اوقات غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور آج۔ غلطی نہ کرنے کا تاوان دینا ہے۔ یہ مجبوری نہیں۔ زیادہ بہتر فیصلہ ہے۔ ایک ماں کا فیصلہ۔"

"اماں! آ۔ آپ نے میرا اعتبار نہیں کیا۔ آپ نے بھی؟" وہ تڑپ رہی تھی۔ آنکھیں جھیلیں بن چکی تھیں۔ دل خون ہو رہا تھا۔ اماں نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔

"نہیں میری بیٹی! اماں کی جان۔ میں قربان۔ میں نے اعتبار کیا۔ مگر کبھی ناکردہ گناہوں کی سزا بھی جھیلنی پڑ جاتی ہے۔ کس کس کو یقین دلاؤں۔ کیسے اعتبار کا شیشہ دکھاؤں۔ جس پر ایک قطرہ نہیں۔ کاش خود کشی حرام نہ ہوتی تو وہ کرکے دکھاتی لیکن میری بچی! تب بھی لوگوں کو بے داغ چہرے پر کالک نظر آتی کہ سب کے ضمیر سیاہ ہو چکے ہیں۔ تمہاری تائی رخصتی کرانے اگلے جمعے کو آنا چاہتی ہیں۔ اپنی عظمت کا پرچم لہرانے کے لیے کہ انہوں نے پھر بھی گندگی کی پوٹ اٹھا کر گھر کی زینت بنالی۔ بٹیا! میں ان کی فاتحانہ آمد برداشت نہیں کر سکوں گی۔ میں اسی وقت مر جاؤں گی۔ جسمانی طور پر نہیں تو روحانی موت۔" اماں بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ ان کا جسم کانپ رہا تھا۔

"اور اگر تمہیں آج کی عزت کی یہ تقریب منظور نہ ہو۔ تو یہ لوگ جو میرے اپنے ہیں۔ اسی طرح سے انہیں واپس کر دوں گی۔ جیسے بلایا تھا۔"

رودابہ سکتے کی کیفیت میں تھی۔ وہ بولنے کی سکت کھو بیٹھی تھی۔ وہ ماں کا ایک ایک حرف سن اور سمجھ رہی تھی اور اس کا دل بہت نیچے ٹھنڈے پانیوں میں ڈوب رہا تھا۔

"منصور بھائی۔" وہ فریاد بھی کرتی تو دل سے آواز یہی آتی۔

"منصور ہوتا' تب بھی یہ سب ایسے ہی ہوتا۔ وہ میرا ہمدرد' غم گسار بیٹا ہے۔" اماں کا لہجہ بدل گیا۔ اب وہ ٹھہرے ہوئے پانی میں کاغذ کی ناؤ چلا رہی تھیں۔

"ہاں بٹیا! غم گسار ہمدرد اور نہ جانے کیا کیا۔ بنی دشمن ہوئی پھر جس بدنامی سے بچنا چاہ رہی ہیں آپ کیا اس صورت میں بچ جائیں گی۔ کس کس کو یقین دلائیں گی اماں کہ یہ ریڈی میڈ شادی ریڈی میڈ دولہا کس وجہ سے نمودار ہوا ہے۔"

"میں نے یہ فیصلہ اچانک نہیں کیا ہے۔ اگر تمہاری چچی اماں کچھ اور دن رک جاتیں تو میں آرام سے یہ کام کرتی۔ اظہار بھائی نے بڑی منت کی تھی۔ مگر میں ڈرتی تھی کہ زنیرہ کا معاملہ اٹکا ہوا تھا۔ اس کے بعد بھی تیاری نہ ہونے کا بہانا کر کے ٹالتی رہی کہ تمہاری تعلیم بھی ادھوری ہے۔ لیکن بھابی جان نے جو گند اداؤ پھینکا۔ تو میں بھی مقابلے پر آ گئی۔ تم کو انکار ہے تو یہ تمہارا حق ہے۔ میں جبر کی قائل نہیں ہوں لیکن پھر تم ماں کی محبت کھو دو گی۔ کیونکہ میں بعد میں تمہارے آنسو برداشت کر سکوں گی نہ تمہارے پچھتاوے۔ اس لیے کہہ رہی ہوں جتنا رونا چاہو رو لو۔ بس ایک بات یقینی ہے۔ آج تم جس عزت اور وقار کے ساتھ سسرال سدھارو گی۔ وہ اگلی کسی ساعت میں ممکن نہ ہو گا۔" اماں چپ ہو گئیں۔

اس کے آنسو رک گئے۔ وہ ایک ناتجربہ کار' کم عمر اور سیدھی سی لڑکی تھی۔ مگر ماں کی محبت' ماں کی اہمیت اسے آج سے پہلے اتنی طاقت دینے والی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ کیا وہ بھائی کے جھکے سر دیکھ سکتی تھی۔؟ نہیں

آہ تیمور تم نے کیسا ستم توڑا ہے۔ ماں کی سازش کا حصہ بن کر۔ ایک بار آ کر میرے دامن پر لگے داغ اپنی گواہی سے دھو دیتے۔ خالہ! آپ کتنی خوش قسمت ہیں۔ ایک ای میل نے آپ کے نصیب کو چار چاند لگا دیے اور میرے لیے اسی گھر سے بدنامی کے کالے

داغ۔ آج میں کتنی اکیلی ہوں خالہ! نہ آپ ہیں نہ منصور بھائی۔ میرا مقدمہ اتنا کمزور نہیں۔ لیکن کون لڑے، بچپت تو اب بھی نہیں ہوگی۔

"تم چپ کیوں ہو روداب۔؟ یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے۔"

یہ اس کی زندگی کا سوال ہے۔ عزت و وقار کا۔ پاکدامنی کے اظہار کا۔ نسائیت کے غرور کا۔ کہیں سب کچھ رل نہ جائے۔ مٹ نہ جائے۔ نظروں سے گر نہ جائے۔

"اماں۔" اس کے حلق سے چیخ نما فریاد نکل کر کمرے میں گونج گئی۔ "منصور بھائی کو تو بلا لیتیں۔" اس اقرار وفا کے ساتھ وہ غش کھا کر اماں کی گود میں جا گری۔

مسرور آفس سے آیا۔ تو حیران ہو گیا۔ چہل پہل۔ رونق۔ شمائلہ لپکتی آئی اور اس کی سماعت میں زہر انڈیلنے لگی۔

"دونوں پھوپھیاں، ان کی اولادیں، ماموں، خالائیں۔ نانا جان یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ہوتا کیا۔ منصور صاحب میلوں دور بیٹھے ڈوری ہلا رہے ہیں۔ خالہ ہزاروں کوس سے احکام جاری کر رہی ہیں۔ ان دونوں کے بغیر تو اس گھر میں پتا نہیں ہلتا۔ ایک آپ ہی۔" صفیہ پھپھو کو قریب آتے دیکھ کر شمائلہ ٹل گئی۔ وہ پھپھو سے گلہ کرنے لگا۔

"میری ضد میں ہو رہا ہے۔"

"بیٹے! ضد کیسی؟ ماں کے دل کی بات سمجھ لیتے تو یہ نوبت کیوں آتی۔ ماں کی عزت، بہن کے وقار سے زیادہ تمہیں دوسروں کی فتنہ انگیزیوں پر یقین آجاتا ہے۔ بہن کو ناگوار بوجھ کی طرح اس بدبو دار گٹر میں پھینک رہے تھے، جہاں ظلم، ناانصافی اور جھوٹ کی سیاست ہے۔ تمہاری ماں سے زنیو کا بدلہ لینے کے لیے خود ہی ڈرامہ رچایا اور ہر جگہ معصوم بچی کو بدنام کیا۔ اب کہتی ہیں میں اس بدکردار لڑکی کو قبول کر کے سب پر احسان کر رہی ہوں۔ تم نے آنکھوں پر پٹیاں باندھی ہوئی ہیں۔ ہم مگر اندھے نہیں اور کان بھی کھلے رکھتے ہیں۔ چلو بارات آگئی ہے۔ اپنا قرض ادا کرو۔"

"اب بھی مجھے بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ نکاح کے بعد معلوم ہو ہی جاتا۔ اماں نے مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔" آزردگی اور اشتعال، توہین کا احساس۔

"شکر کرو، عزت کے ساتھ رخصت ہو گئی تمہاری بہن۔ تمہارے نانا جان کی آرزو تھی کہ افتخار کی شادی یہاں ہو۔ انہیں تمہاری اماں سے بہت محبت ہے۔ سمجھ لو۔ یہ محبت کے تقاضے ہیں۔ اپنی بہن کو باپ بن کر رخصت کرنا۔ آج تمہارے باپ کی روح تمہاری محبت کا امتحان چاہ رہی ہوگی۔ چلو بیٹا۔"

"میں کیسے برداشت کروں پھپھو! غیروں کی طرح شریک ہو رہا ہوں۔ مجھے خبر تک نہ دی اماں نے۔ اس قابل سمجھا ہی نہیں۔"

"تم اس قابل ہوتے تو سہی۔ ماں کی زبان سمجھنے کی ضرورت کب محسوس کی تم نے؟۔ مخالفوں کے پامیر بنے رہے۔ بیوی کی آنکھ سے دیکھتے رہے۔ جن لڑکیوں کے سر پر باپ نہیں ہوتے۔ بھائی سائبان بن جاتے ہیں۔ تم نے ماں کی قدر کی نہ بہن کے لیے سایہ بنے۔ ماں کے دل میں گھس کر اس کی دھڑکنیں شمار کرنا بیٹے کا فرض ہوتا ہے۔ آج دل بڑا کر لو۔ ماں کا حکم مان کر دین و دنیا میں سرخرو ہو جاؤ گے۔" پھپھو کا لیکچر پر اثر تھا۔

مسرور نانا جان کے سامنے جھک گیا۔ انہوں نے گلے لگا لیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

کراچی میں منصور کو اول اول بڑی تکلیف ہوئی۔ اماں کے ماموں زاد بھائی کے بیٹے وہاں تھے۔ قریبی رشتہ نہ تھا۔ مگر وہ لوگ بڑی اپنائیت سے ملے۔ کچھ عرصہ وہ ان کے ساتھ رہا۔ مگر کوشش میں لگا رہا۔ ان کا گھر آفس سے کافی دور تھا۔ کنوینس پرابلم۔ کھانے پینے کا مسئلہ۔ صبح کی چائے کے علاوہ وہ عزیز بھائی کو زیادہ زحمت نہیں دیتا تھا۔ ان کے حالات بھی کوئی قابل

... تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے۔ بیوی کی صحت ... اکیلے عزیز بھائی کمانے والے تھے۔ چھوٹا سا ... کمرول بڑا تھا۔

... اسے دو لڑکوں کے ساتھ ایک کمرے کی پیشکش ... اس نے فوراً" قبول کر لی کہ کمرے کے ساتھ ... روم کے علاوہ چھوٹا سا کچن بھی تھا۔ کمرے میں ... کے بستر لگنے کے بعد اتنی جگہ بچ گئی کہ جہاں ... کی جا سکے۔ یا بیٹھ کر کھانا کھایا جائے۔ یا پھر ... کو تاش کی گڈی کے ساتھ لڑائی دنگا فساد ہو ... کچھ چیزیں مالک مکان نے مہیا کر دیں۔ مثلاً" ... چند ضروری اشیاء عزیز بھائی لے آئے یعنی تین ... تین پلیٹیں، دو چمچے اور ایک چھوٹی پرانی دیگچی۔ ... کھانے کی ذمے داری منصور کو سونپی گئی۔ کیونکہ ... تینوں نے ٹیسٹ دیے۔ تو منصور کو کوکنگ میں ... نمبر ملے۔ زاہد اور اشرف کو بالترتیب کپڑے ... دھونے اور استری میں۔ ایک دوسرے کے پھیلاوے ... میں۔ تینوں ایک دوسرے کی مدد کرتے۔ کھانا تو ... روز ہی پکانا پڑتا۔ استری بھی تقریباً" روز ہوتی۔ مگر ... کپڑے دھونے کی باری ہفتے میں ایک بار آتی اور وہ ... چھٹی کا ہوتا۔ تو زاہد تو چھٹی کے دن بھی فارغ نہ ... تفریح کا تو کیا ذکر۔ پھر منصور کو ہی ترس آیا۔ تو وہ ... کی مدد کر دیتا۔ اس طرح تینوں چھٹی کے دن سیر کے ... نکل جاتے۔

منصور کبھی کبھی عزیز بھائی کے ہاں چلا جاتا۔ ان ... بچوں کے لیے تصویری کتابیں، کلر پنسلیں یا ... وغیرہ لے جاتا۔ کبھی آئس کریم، بچوں کی عید ... ہو جاتی۔ وہ اس کے منتظر رہنے لگے۔ محبت، خلوص، ... بچوں کو سب سے زیادہ اپنی طرف کھینچتی، ... کبھی کبھار وہ ان کو ہوم ورک کرا دیتا یا کوئی کہانی، ... عزیز بھائی اس کے ممنون ہوتے۔ پھر بالکل ... ایک خالی جاب پر اس نے عزیز بھائی کے، ... کوشش کی اور ان کے تجربے کی بدولت وہ انہیں، ...

... ان کی پہلی جاب سے بہتر تھی۔ تنخواہ بھی زیادہ،

اور علاج معالجے کی سہولیات۔ وہ منصور کے احسان مند ہو گئے۔ ضرورت مند تھے اور محنتی بھی۔ منصور افتخار کو خط لکھ کر تاکید کرتا کہ گھر جا کر دیکھ کر پھر خیریت لکھے۔ افتخار کے ہر خط میں ہوتا۔

"پچھلے دنوں پھپھو کچھ کمزور ہو گئی تھیں۔ اب ٹھیک ہیں۔"

اور وہ اماں کی صحت و سلامتی کے لیے دعائیں کرتا۔ افتخار کی معرفت ہی اس نے رقم بھجوائی، وہ جانتا تھا، بھابھی نے اس کے آنے کے بعد خرچ کی مد میں کمی کروالی ہو گی اور اماں علاج سے غافل ہو گئی ہوں گی۔ اسی لیے افتخار کو وہ سختی سے لکھتا۔

"تم ڈاکٹر کو دکھا دو۔ علاج ہونا چاہیے۔ بھائی جان اعتراض کریں تو میرا خط دکھا دینا۔"

گھر آنے کے لیے وہ ٹیکسی کرتے اور کرایہ برابر کا ادا کرتے اور اگر کبھی وہ دونوں نہ آسکتے یا منصور جلدی آجاتا تو وہ بس کو ترجیح دیتا۔ بس اسٹاپ ان کے ٹھکانے سے کچھ دور تھا۔ مگر اس نے شارٹ کٹ دریافت کر لیا۔ بجائے مین روڈ کے اب وہ سامنے والی گلی میں گھس کر دوسری گلی میں پہنچتا۔ وہاں سے تیسری گلی میں پہلا گھر تھا۔ منصور اماں کو بھیجنے کے ساتھ ساتھ روداب کے لیے بھی ہر ماہ کچھ رقم بچا لیتا۔ اسے روداب کی شادی کی فکر تھی۔ گو کہ اس میں ابھی دیر تھی۔ مگر اس مہنگائی کے دور میں وقت سے پہلے تیاری کر لینی چاہیے۔ منصور نے تصور میں روداب کا چہرہ دیکھنا چاہا۔ غصے میں آگ بگولہ آنکھوں سے شعلے اگلتی، دوپٹہ چباتی، زبان کے جوہر دکھاتی۔ اسے ہنسی آگئی۔

ارے اس کے سوا کیا اور کوئی شکل نہیں اس کی۔

اس دن وہ وقت سے پہلے ہی آفس سے نکل آیا۔ کوئی کام تھا ہی نہیں۔ بس سے اتر کر گلی میں داخل ہوا۔ چند قدم آگے دو لڑکے آپس میں ہنسی مذاق کرتے ایک دوسرے کو ہاتھ مارتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے چند قدم آگے ایک لڑکی سرمئی چادر میں لپٹی ہوئی تیز قدم اٹھاتی چل رہی تھی۔ گلی میں ان کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ پھر لڑکی نے تقریباً" بھاگنا شروع کر دیا۔ لڑکے

بھی تیز چلنے لگے۔

منصور کو شک سا ہوا کہ لڑکے اس لڑکی کو تنگ کر رہے ہیں۔ اس نے قدموں میں آواز پیدا کی اور گلا صاف کیا تاکہ وہ اسے اکیلی لڑکی نہ سمجھ بیٹھیں۔ اپنی موجودگی کی اطلاع دیتے ہوئے وہ لڑکوں کے برابر سے گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ لڑکے یکدم ٹھٹھک گئے۔ انہوں نے بڑی ناگواری سے اسے دیکھا۔ پھر واپس پلٹ گئے۔ اب وہ بلند آواز میں گا رہے تھے۔

"اساں تے جانا اے بلووے گھر"

اس اثناء میں لڑکی کسی گھر میں داخل ہو چکی تھی۔ منصور کا بھی موڑ آ گیا تھا۔ وہ دوسری گلی میں مڑ گیا۔

اس کے کئی دن بعد۔ پھر وہی منظر تھا۔ وہی لڑکی تیز قدموں سے بھاگتی ہوئی۔ وہی دونوں لفنگے پیچھا کرتے ہوئے۔ منصور کی مداخلت نے لڑکوں کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ لیکن تیسری بار بھی جب ایسا ہی سین دیکھنے کو ملا۔ منصور کو لڑکی پر طیش آ رہا تھا۔ آخر یہ روز اس وقت کہاں سے آتی ہے۔ کیا اس کے باپ بھائی نہیں۔ جن سے شکایت کر کے وہ اس مصیبت سے نجات پائے یا پھر یہ راستہ بدل لے۔ آج لڑکے زیادہ نڈر تھے۔ ان کا فاصلہ بھی بہت کم ہو رہا تھا اور پھر منصور نے لڑکی کی چیخ سنی۔ ایک بے بس لڑکی کی فریاد۔ منصور نے قدم تیزی سے بڑھا کر فاصلہ کم کر دیا۔ لڑکے اس کی چادر کھینچ رہے تھے۔ پھر لڑکی نے اپنا پرس ایک لڑکے کو کھینچ مارا۔ جو لڑکے کے جبڑے پر لگا۔ شاید کچھ زیادہ ہی زور سے لگا تھا۔ کہ لڑکا چیخ کر دور جا گرا۔ لڑکی کوئی پہلوان نہ تھی کہ جبڑا ٹوٹ جاتا۔ یقینی طور پر وہ اداکاری کر رہا تھا۔ اس نے منصور کو دیکھ لیا تھا' دوسرا لڑکا ساتھی کو گرتا دیکھ کر مشتعل ہو گیا اور زیادہ بے باکی سے لڑکی کو کھینچنے لگا۔ چادر سر سے اتر گئی۔ اب وہ اسے دوبارہ سر پر لینے کے لیے زور لگا رہی تھی اور اس کا دفاع اس کوشش میں کمزور ہو چکا تھا۔ لڑکے کے ہاتھ میں اس کی چوٹی آ گئی۔ جسے وہ کھینچ رہا تھا۔ لڑکی نے سہمی ہوئی نظریں منصور کی آنکھوں میں جما دیں۔ وہ مدد طلب کر رہی تھی۔

منصور پہلے ہی لڑکے کی جسارت پر غضب ناک ہو رہا تھا۔ اس نے لڑکے کو پکڑ لیا اور بے اس کے حلق سے جنگی نعرہ گونجا۔ لڑکا اب منصور سے بھڑ گیا۔ لڑکی ایک دروازے کو دھڑ دھڑانے لگی۔ دروازہ تو نہیں کھلا۔ البتہ سامنے کا ایک دروازہ کھلا اور ایک مردانی آواز نے للکارا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں۔؟" پھر دروازے کھلتے گئے۔ شاید منصور کے جنگی نعرے نے سب کو باہر آنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہو رہا ہے۔؟" پھر کسی نے آگے بڑھ کر انہیں ایک دوسرے کے چنگل سے چھڑایا۔ لڑکے نے پیچھے مڑ کر اپنے ساتھی کو دیکھنا چاہا۔ تو وہ غائب تھا۔

"ہاں بھئی' برخوردار' کیا بات ہے۔" منصور صاحب کی طرف متوجہ ہوا اور لڑکے نے بھی چیخ لگا دی۔

منصور چلایا۔ "پکڑو اسے' پکڑو غنڈا ہے۔"

مگر وہاں سب کو احوال جاننے کی خواہش تھی۔ لڑکی دروازہ پیٹے جا رہی تھی۔ آخر کواڑ کھلے اور اندر سے ایک مشتعل خاتون نے گلی میں نظر ڈالی۔ لڑکی اندر گھسی۔ مگر خاتون نے اس کا بازو اپنے صحت مند ہاتھ میں جکڑ لیا۔

"کیا بات ہے۔ آج کون سا گل کھلا کر آئی ہے بول۔" گلی میں موجود لوگوں نے اپنی اپنی بولی بولنا شروع کر دی۔ منصور اس افتاد ناگہانی پر بوکھلا کر رہ گیا۔

"یہ لڑکا' یہ لڑکا۔" سب کی انگلیاں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ باقی کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

"اچھا تو نوبت یہاں تک آ گئی کہ عاشقوں کو گھر تک لانے لگی۔" اندر والی صحت مند خاتون کے ہاتھ میں لڑکی کی چوٹی تھی۔ وہ اسے مروڑ رہی تھیں۔ لڑکی تکلیف سے چلائی۔

"نہیں نہیں تائی! میری بات سنیں۔ اندر چلیں میں سب بتا دوں گی۔" وہ التجا کر رہی تھی۔

"اندر کیوں؟ جب گلی میں مجمع لگا لیا ہے۔ تو سب کے سامنے اپنی داستان عشق سنا' کون ہے یہ؟"

"نہیں نہیں تائی! میں ان کو بالکل نہیں جانتی' یہ ...

"اچھا؟ نہیں جانتی تو اسے کوئی فرشتہ یہاں چھوڑ گیا ہے کہ اس دروازے پر ایک حور تیرا انتظار کر رہی ...

"تائی! اللہ کی قسم' میں بالکل نہیں جانتی۔" لڑکی ... اور شرم سے نیم جان ہو گئی۔

"اری چل آئی تھی کہیں سے۔ تیری جھوٹی قسموں کا اعتبار وہ کرے۔ جو تیرے چلتر جانتے نہ ہوں۔"

... شدید قسم کی غلط فہمی میں مبتلا تھیں۔ وہ اپنے ... قائم تھیں اور ایک چاول بھر اس سے ہٹنے کو ... تھیں۔ ادھر باہر لوگوں کے بیچ میں کھڑا منصور ... کے تاثرات میں گھرا ہوا تھا۔ قصور نہ ہونے پر ... خطاوار نظر آ رہا تھا۔

لوگوں نے اسے لڑکے سے لڑتے دیکھا اور اسے بھاگتے بھی۔ لیکن اب جیسے سب کی نظریں اس پر ... طرح سے گڑی ہوئی تھیں۔ منصور برابر سب کو ... کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہ واقعہ کیا ہوا۔ مگر ... نہیں کیا کیا بول رہے تھے۔

"سنئے' سنئے۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں ... کرانا چاہا۔ "آپ سب نے دیکھا تھا۔ ایک لڑکا ... سے لڑ رہا تھا۔ آپ کے سامنے وہ بھاگ بھی گیا۔ وہ ... اور ان کو تنگ کر رہے تھے۔" اس نے تفصیل ... انہیں واقعہ سنایا پھر طنز سے کہا۔

"کمال ہے' گلی میں ایک بہن ستائی جا رہی ہے اور آپ لوگ دروازے بند کیے بیٹھے رہتے ہیں۔"

"واقعی' ہمیں تو لائن لگا کر ان شریف صاحب کی ... داری کرنی چاہیے کہ کب کوئی انہیں ستانے ... اور ہم ڈنڈے لے کر اس پر ٹوٹ پڑیں۔ واہ کیا ... ہے۔" سب ہنسنے لگے۔ اندر لڑکی خاتون کی ... میں لگی ہوئی تھی اور وہ صاحبہ اس کی چٹنی ... کر بستہ تھیں۔

"میرا مطلب یہ نہ تھا۔ لیکن اگر کوئی غنڈوں سے ... مدد کو آ جائے تو اسے مجرم تو نہیں بنانا چاہیے۔ اچھا میں چلتا ہوں' اجازت دیجیے' میں نے ایک فرض ادا کیا ہے۔"

"ارے واہ! ایسے کیسے جا سکتے ہو۔ ہم تو تم سے واقف نہیں۔" کسی نے کہا۔

"حالانکہ اس سورما کے خاندان سے واقفیت ہونی چاہیے تھی۔"

"اپنا تعارف کراؤ برخوردار! ایسے تو ہم جانے نہیں دیں گے۔ کیسے جانتے ہو اسے؟" منصور کا جی چاہا سر پیٹ لے۔

"محترم! ابھی بتا چکا ہوں کہ اس گلی سے اکثر گزرتا ہوں۔ آج یہ تماشا دیکھ کر رہ نہ سکا۔ میرے مالک مکان سے چل کر پوچھ لیں۔" وہ اپنا دفاع تو کر رہا تھا۔ لیکن اندر جو کچھ ہو رہا تھا' وہ بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اگر وہ بے قصور تھا تو لڑکی بھی تو خطاوار نہ تھی۔

"میں صحیح بتا رہا ہوں۔ جب لڑکوں نے ان کی چادر کھینچی۔ میں برداشت نہ کر سکا۔ میرے سامنے میری بہن آ گئی۔ یہ بھی کسی کی بیٹی' کسی کی بہن ہے۔ میں نے اسے زیادتی سے بچانے کے لیے دخل دیا تھا۔"

"ہمیں بیوقوف سمجھتے ہو۔ سچ سچ بتا دو۔ اس لڑکی کو کب سے جانتے ہو۔"

"کمال کرتے ہیں آپ۔" وہ جھنجلایا "آپ کے ہاں غنڈوں کو کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور شریف آدمی پکڑ لیا جاتا ہے۔ میں اگر مجرم ہوتا تو ان سے پہلے میں یہاں سے بھاگتا۔"

"ارے ہم تو روز ہی اس حرافہ کے طرح طرح کے بہانے سنا کرتے ہیں۔ بھلا وہ کون سا اسکول ہے جہاں چار بجے چھٹی ہوتی ہے۔ گلی میں سناٹا ہوتا ہے تو عاشقوں کی فوج پیچھے پیچھے۔ اب یہ نیا لڑکا لگا لائی ہے۔" اندر سے الزامات کی نئی کھیپ برآمد ہوئی۔ بڑی مشتعل مزاج تھیں ابھی تک اپنے طاقتور بازوؤں میں دبوچا ہوا تھا اسے اور وہ گھگھیا رہی تھی۔

"تائی! میرا یقین کریں' میں ان کو نہیں جانتی۔" اب وہ زور زور سے رو رہی تھی۔

"نہیں جانتی تو ہاتھا پائی کس لیے کر رہا تھا اس

پرانے عاشق سے۔"

"میری بات سنیں۔ اندر چلیں تائی! میں سب کچھ بتاتی ہوں' پلیز اندر تو چلیں۔" کس قدر درد و کرب تھا اس کی آواز میں۔ منصور کی آنکھیں جلنے لگیں۔

"اری چل۔ اب تیرا اس گھر میں داخلہ بند ہوا۔ چل نکل۔ ابھی نکل' جس کو لگا کر لائی ہے۔ اسی کے ساتھ جا۔ کب تک نگرانی کروں گی۔ تیرا تایا تو قبر میں پڑ گیا۔ عذاب میرے گلے باندھ گیا۔ لوگو! کچھ انصاف کرو۔" دہائیاں دے رہی تھیں۔

"دیکھیے' یہ آپ کے گھر کا اندرونی معاملہ ہے۔ پلیز! آپ مجھے جانے دیں۔" اسے لگ رہا تھا کہ کچھ دیر اور کھڑا رہا تو شاید رو پڑے گا۔

"میں توبہ کرتا ہوں۔ آئندہ اس راستے سے نہیں گزروں گا۔ آپ مجرموں کو بھگا دیتے ہیں اور شریفوں پر الزام لگاتے ہیں۔"

"آہاہا! ایک تم شریف۔ ایک یہ۔" خاتون نے اس لڑکی کے لیے ایک نامناسب لفظ استعمال کیا۔ "آج یہ میرے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ کسی رنڈی کے کوٹھے پر بٹھادوں گی اسے۔"

اف کس قدر تکبر تھا۔ لڑکی نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ دو خواتین جو معلومات کے لیے گلی میں کھڑی ہو گئی تھیں فوراً اندر لپکتی ہوئی گئیں۔ انہوں نے جھک کر دیکھا۔

"بیہوش ہو گئی ہے۔"

"ڈرامہ کر رہی ہے۔ کبھی کہیں گر جاتی ہے کبھی کہیں۔ مجھے تو لگتا ہے' معاملہ کچھ اور ہے۔"

"خالہ! توبہ کریں۔ خدا کے غضب سے ڈریں۔ صبح سے کام میں لگی ہوتی ہے۔"

"سکول میں سلائی کڑھائی کا کام کر کے محنت کا کھاتی ہے۔ آپ تو اسے روٹی بھی نہیں دیتیں اور آرام بھی نہیں کرنے دیتیں۔" آنے والی خواتین کچھ ہمت والی تھیں۔

"اور کھانے کو کچھ ملتا بھی ہے تو فقط مار۔" دوسری نے انکشاف کیا۔

"اچھا' میں تو ظالم ہوں۔ تم تو بہت ہمدرد ہو۔ رحم دل ہو لے جاؤ اسے اپنے ساتھ۔" انہوں نے تلملا کر سینہ پیٹا۔ "ہائے ہائے لوگوں' میرا کوئی ساتھی نہیں محلے میں۔ اس کے سارے ہمدرد ہیں۔ چل ری اٹھ نکل۔" گالی۔ پھر انہوں نے اسے گھسیٹا اور چوکھٹ پر ڈال دیا۔

وہ چادر سے اپنا جسم چھپاتے ہوئے تائی کے پیر پکڑے بلک رہی تھی۔ تائی نے ٹھوکر مار کر گرا دیا۔ وہ گھٹ گھٹ کر فریاد کر رہی تھی۔ مگر ان کا اشتعال بڑھتا جا رہا تھا۔

منصور کے نرم دل پر کوڑا آ کر لگا۔ "کون ہے یہ لڑکی۔ کس کی بہن۔ کس کی بیٹی ہے۔ کوئی اس کا عزیز نہیں اور کوئی ان خاتون کو روکنے والا نہیں۔ یہ اس زمین کی پیداوار نہیں؟ کیا آسمان سے اتر کر آئی ہیں۔ اے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ آج سڑک پر تماشا لگایا ہے' گھر میں کیا کچھ نہ ہوتا ہو گا۔ آہ انسانیت کی تذلیل کیسے کیسے ہوتی ہے۔ رشتوں کے تار کیونکر ٹوٹتے ہیں۔ رواداری اور مروتیں کیسے دفن ہوتی ہیں۔"

"چل بھئی لڑکے! اٹھا اپنا سامان' لے جا اسے۔" ایک اور ٹھوکر "نہیں تو آج گھر سے نکل کر سیدھی رنڈی کے کوٹھے پر پہنچے گی۔ یہی کرتوت ہیں اس کے۔"

"بس کریں تائی! بس کریں۔" بلبلا کر روئی تھی۔ "میری عزت سرعام نیلام نہ کریں۔ مار ڈالیں مجھے' دفن کر دیں زندہ مگر اس طرح...... اس طرح سب کے سامنے۔" تڑپتی ہوئی فریاد۔ بلکتی ہوئی آواز۔ اچانک کرب ناک چیخوں میں بدل گئی۔ منصور کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

"خالہ! تمہارے دل پر مہر لگ گئی ہے۔ تم انسان نہیں درندہ ہو۔" بعد میں آنے والی خاتون نے لڑکی کو کھڑا کیا۔ "بٹیا۔ کیوں اس ڈائن کے پیر پکڑتی ہے۔ مانگنی ہے تو اللہ سے مانگ۔ اسی کا آسرا پکڑ۔"

دوسری خاتون نے منصور کا بازو پکڑا۔ "سنو بھائی! مجھے تم شریف آدمی لگتے ہو۔ لڑکی بہت نیک' پارسا ہے۔ بے سہارا ہے۔ محنت کا کھاتی ہے۔ ہم تو روز اسے اسی طرح مار کھاتا دیکھتے ہیں۔ سارا دن بیل کی طرح کام کرتی ہے۔ چار بیٹے ہیں اس کے' وہ بھی ماں کے کہے میں ہیں۔ جب چاہتی ہے' کسی بیٹے کا نام لے کر پٹواتی ہے' بے چاری مار کھا کھا کر رہتی یہیں ہے۔ چھت نہیں ہے اس کے پاس' کوئی دوسرا عزیز نہیں ہے اور یہ محلے والے۔ یہ سب خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔ کسی کو نہ اپنی بیٹی یاد آتی ہے نہ بہن۔"

"بھیا! اتنا نرم دل ہے تمہارا۔ آنسو' یہاں تو یہ سارے مرد تماشا دیکھنے آتے ہیں۔ زنخے ہیں یہ' کوئی اسے سہارا نہیں دیتا۔" دوسری خاتون لڑکی کو پکڑ کر گلی میں لے آئیں۔

"بھیا! تم اسے سہارا دے دو۔ چھت کا آسرا دے دو۔ نکاح کر لو اس سے۔"

"اللہ۔" لڑکی کے حلق سے کرب ناک چیخ برآمد ہوئی۔ وہ پھر زمین پر گر گئی تھی۔ گلی میں سناٹا چھا گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

تعجب کی بات تھی۔ گھر کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ منصور نے اندر جھانکا تھا۔ صحن میں سوکھے پتے اڑ رہے تھے۔ برآمدے کا تخت خالی پڑا تھا۔

منصور نے سوٹ کیس صحن میں رکھا۔ مڑ کر ربیعہ کو آنے کا اشارا کیا۔ وہ باسکٹ لیے پیچھے پیچھے آ گئی۔ نماز کی چوکی بھی خالی تھی۔ مگر کونے میں پلنگ پر اماں سر نیچا کیے بیٹھی تھیں۔ منصور کا دل ٹھہر گیا۔

اف اتنی دیر میں کیا کچھ ذہن نے اندیشے گھڑ لیے تھے۔ اماں ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھیں۔ ان کا جسم ساکت تھا۔ منصور کی چاپ نے بھی انہیں سر اٹھانے کا حوصلہ نہیں دیا۔ "کس سوچ میں گم تھیں اماں؟" وہ بے قراری سے ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ ان کے پیروں پر ہاتھ رکھ کر اس نے اماں کا چہرہ دیکھنا چاہا۔ اماں کی نظریں اس پر جم گئیں۔

"اماں!" اس نے آہستہ سے کہا۔ اماں کے ہاتھوں میں جنبش ہوئی تھی۔ ان کا ہاتھ اس کے کندھے پر آ گیا۔ پھر گردن تک آیا۔ بالوں میں رک گیا۔

"منصور۔" کتنی بے یقینی تھی ان کی آواز میں۔

"ہاں اماں! میں آ گیا۔" اماں کا چہرہ منصور کے سر پر جھکا۔ وہ رو رہی تھیں۔

بے بسی کی سسکیاں منصور نے کبھی اماں کو اس طرح روتا نہیں دیکھا تھا۔ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے جو اماں......! کچھ تو ہوا ہے۔ اس قدر درد سے رو رہی ہیں اماں۔ وہ ضبط کے آخری مرحلے میں تھا۔ پھر اس نے مڑ کر ربیعہ کو دیکھا۔

"پانی۔" ربیعہ لپک کر کولر تک گئی۔ منصور اٹھ کر اماں کے ساتھ پلنگ پر آ بیٹھا۔ ان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر محبت سے بولا۔

"آپ مجھے یاد کر رہی تھیں۔ اس لیے آ گیا میں۔"

"بٹیا!! تو اس دن کیوں نہیں آیا ہفتے کو۔" کیسی دل سوزی سے بولی تھیں۔ ربیعہ کے ہاتھ سے گلاس لے کر اماں کے منہ تک لایا۔ ان کا بچا ہوا پانی خود پی لیا۔

"بھابھی کہاں ہیں؟ بھائی جان تو ابھی آئے نہیں آفس سے۔" وہ انہیں بہلا رہا تھا۔

"چلے گئے وہ مجھ سے خفا ہو کر سب چلے گئے۔"

"کہاں۔؟"

"پتا نہیں۔"

"اور رودابہ۔"

"وہ بھی...... اب آج تو میں اکیلی تھی۔ رات کو صفیہ گئیں۔ صبح ہی مسرور لڑ کر...... مجھ سے لڑ کر...... بٹیا تو ہفتے کو آجاتا۔" اماں اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھام کر درد بھرے لہجے میں بولیں۔

کیا بتاتا ہفتے کو...... وہ نکاح کر رہا تھا۔

"لگتا ہے' اماں نے کھانا نہیں کھایا۔ ربیعہ! ہمارے ساتھ جو کھانا آیا ہے۔ اسے گرم کر لو۔ سامنے کچن ہے۔ جاؤ شاباش اور ہاں دودھ کا پیکٹ بھی تو بھابھی نے ساتھ بھیجا تھا۔ وہ اسی طرح گلاس میں ڈال لاؤ۔ اماں کو پلا دوں۔"

اماں شدید صدمے کی حالت میں تھیں۔ کمزوری ہو رہی تھی۔ دودھ پینے سے اور منصور کی موجودگی، دل کچھ ٹھہرا تھا۔ روداب بھائی جان کے ساتھ کیوں گئی۔ یہ معمہ بھلا کیسے حل ہو گا۔

"یہ بچی کون ہے؟" اماں کو اب ربیعہ نظر آئی۔

منصور کا دل بھر آیا۔ "اماں! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔ ایک ایسی خادمہ آپ کے لیے لاؤں گا۔ جو پلنگ پر بٹھا کر کھلائے گی۔ دیکھئے لے آیا ہوں۔"

ایک گھر کی کہانی، واقعات اتنے مختلف۔ اس دنیا کے ہر گھر میں کوئی نہ کوئی کہانی ضرور ملے گی۔ اچھی، بری، حیرت انگیز..... اور یہ سب کچھ قدرت کے اشارے پر عمل میں آتے ہیں۔ انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو بس اس کے اپنے کردار کے مطابق۔

مسرور کو اپنی بڑائی، گھر کے سربراہ ہونے کا فخر تھا۔ مگر اسے گلہ اماں سے تھا کہ انہوں نے منصور کو فوقیت کیوں دی۔ یہی دکھ گھر سے نکلنے کا باعث ہوا۔

ماں کو سزا دینے کی عملی کوشش میں خواہ بیوی کا دخل بھی ہو۔ تب بھی کوئی بیٹا اس طرح شرمندہ کر کے گھر سے نہیں جاتا کہ "دیکھنا ہے اب آپ کو کس کی مدد ملتی ہے۔" منصور کیا روز کراچی سے آ کر کھلائے پلائے گا اور وہ یہ بھول گیا۔ مدد تو اللہ کی ہوتی ہے۔ صبح دونوں میاں بیوی گھر سے گئے۔ تب سے اماں یونہی بیٹھی سوچتی رہ گئیں۔

"کہاں غلطی کی میں نے۔ عزت آبرو کی حفاظت کیا ماں کا فرض نہیں۔ اولاد کی بہبود کا فیصلہ کیا ماں کا حق نہیں اور سزا دینا بیٹے کا حق ہے؟"

تین دن صفیہ ساتھ رہیں۔ ماں، بیٹے میں مفاہمت کی کوشش کرتی رہیں۔ ان کے جاتے ہی صبح فیصلہ سنا دیا۔

"جب آپ ہمیں کچھ سمجھتی نہیں، ہمارا عدم وجود آپ کی نظر میں برابر ہے۔ تو ساتھ رہنے کا فائدہ؟"

مسرور کو اپنے چچی سے کیے وعدے کا بہت قلق تھا کہ وہ ان کے سامنے سر نہ اٹھا سکے گا۔ مگر اسے ماں کی کوئی فکر نہیں تھی، لیکن واہ رے میرے اللہ۔ جب دل و جاں تنہائی اور خوف کے اسیر تھے۔ تب اللہ نے منصور کو بھیج دیا تھا۔

"یہ آپ کی بہو ہے۔ جیسی آپ کو پسند ہے۔ اماں بالکل ویسی ہی۔ خدمت گزار۔ اطاعت شعار اور محبت کرنے والی۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے نکاح میں میرا اپنا کوئی شریک نہ تھا۔ لیکن اتنا وقت ہی نہ تھا اور عزیز بھائی نے بڑے بھائی بلکہ باپ کا کردار ادا کیا تھا۔"

اماں ربیعہ کو سامنے بٹھا کر دیکھتی رہیں۔ میرے بیٹے کو اس میں کیا نظر آیا؟ سادہ سا عام سا چہرہ۔ لیکن اس کی آنکھوں میں شرم ہے۔ اس کے چہرے پر غم کا تاثر ہے۔ شاید یہ بہت روتی رہی ہو۔ انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔

"تم میری بہو ہی نہیں بیٹی ہو۔ میرے اچھے بیٹے کی پسند معمولی نہیں ہو سکتی۔ تم مجھے بہت پیاری لگی ہو۔"

اور ربیعہ کو لگا، اسے برسوں کی بچھڑی ماں مل گئی۔ اس کی پلکیں نم نم تھیں۔ مگر آنکھیں مسکرا دیں۔ اس کے لبوں پر ایک شرمیلی مسکان نمودار ہوئی۔

منصور نے دھماکہ کر دیا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا، اماں کے پاس اس سے بھی زیادہ زوردار دھماکہ خیز مواد موجود ہے۔

روداب، روداب کی شادی۔

اسی وقت فون کر کے روداب کو اطلاع دی تھی مگر ربیعہ کے بارے میں نہیں بتایا۔

دونوں کو اگلے دن کھانے پر بلایا۔ افتخار اسی وقت آنا چاہتا تھا۔ منصور نے منع کر دیا۔

"آج نہیں کل۔"

لیکن وہ روداب ہی کیا جو صبر کر لے۔ شور مچاتی آئی اور منصور کے گلے میں لٹک گئی۔ یوں جیسے سدا سے بڑی محبت والی ہو اور کبھی ان میں لڑائی ہوئی نہ ہو۔ یا برسوں کی جدائی کے بعد ملے ہوں۔ پھر وہ ٹھٹک گئی۔ انگلی اٹھا کر بولی۔

"یہ... یہ کون ہیں؟ پہچانا نہیں میں نے۔" اور جب معلوم ہوا تو اس قدر شور کیا۔ مجھے کیوں نہیں بلایا۔ مجھے تو کوئی کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ میری تو قدر ہی نہیں۔ وغیرہ۔" منصور کو اطمینان ہو گیا، وہ اور افتخار خوش ہیں۔ بہت خوش اور اب وہ بھی خوش تھا۔

اماں اور روداب دونوں نے ربیعہ کو پاس کر دیا تھا۔

"اماں! مجھے نہیں معلوم، یہ کس خاندان کی ہے۔ کس مزاج کی ہے۔ میں نے اسے نکاح والے دن ہی دیکھا تھا۔ پہلی بار..." منصور اماں کو واردات کے بارے میں بتا کر انہیں مطمئن کرنا چاہتا تھا کہ کہیں وہ اسے کسی "عشق" کا نتیجہ نہ سمجھ لیں۔

"یقین کریں اماں! جب اس کی تائی اسے ٹھوکریں مار رہی تھیں اور یہ تڑپ رہی تھی، بلک بلک کر ان کی خوشامد کر رہی تھی اور ان کی زبان زہر اگل رہی تھی۔ تب میں رو پڑا۔ خدا کے خوف سے کانپنے لگا۔ اس کا قصور نہ تھا۔ میری بھی غلطی نہ تھی۔ مگر وہاں تماشا دیکھنے والے ہمیں مجرم ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ میں نے ایک بے آسرا۔ بے بس اور معصوم لڑکی کو ظلم و ستم سے بچانے کے لیے اس سے نکاح کر لیا۔ عزیز بھائی آ گئے تھے۔ ہم ان کے گھر کئی دن رہے۔ پھر یہاں سے فون آیا۔ مجھے یہاں جاب مل گئی ہے۔ انٹرویو دے کر گیا تھا۔

اماں! مجھے لگا۔ یہ میرے لیے نیک شگون ہے۔ مجھے ربیعہ کو اپنانے کا انعام ملا ہے۔ اب میں آپ کے پاس رہ سکوں گا۔ اماں! شاید آپ نے آج تک ایسی دلہن نہ دیکھی ہو گی۔ جس کے تن پر پرانا لباس اور پھٹی ہوئی چادر ہو۔ اسے رخصت کرنے اس کے چار چچا زاد بھائیوں میں سے کوئی نہ آیا۔ ایک اصلی یتیم لاچار لڑکی میں اپنے ساتھ لے گیا۔ جس کا خوف سے گلا بند تھا۔ وہ تین دن کوئی آواز نہ نکال سکی۔

اماں اس کے جہیز میں بے یقینی، خوف اور بے اعتباری کے سوا اور کچھ نہیں آیا اور میں ان چیزوں کے بدلے اسے صرف ایک چیز دینا چاہتا ہوں۔ آپ کی شفقت کا سایہ۔" منصور نے پرامید نظروں سے اماں کو دیکھا۔

"بیٹا! میرے چاند! اب وہ یتیم بے سہارا نہیں۔ میں اس کی ماں باپ بنوں گی۔ تم اس کا سہارا ہو۔ وہ بے خاندان نہیں۔ ہمارا پورا کنبہ اس کا خاندان ہے۔"

روداب اور افتخار کے جانے کے بعد وہ دونوں بڑی فراغت سے باتیں کر رہے تھے۔ ربیعہ نے دروازے کے پیچھے سے ان کی باتیں سنی تھیں اور اطمینان کا سانس لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"اللہ تعالیٰ جب نوازتا ہے۔ بے حساب نواز دیتا ہے۔ جس روز تم نے ایک بے بس، یتیم، بے گناہ لڑکی کے سر کو اپنے نام کی چادر سے ڈھانپا تھا۔ اس دن بالکل اسی وقت۔ تمہاری بہن ایک بڑے نقصان سے بچ کر عزت و احترام اور عافیت کے ساتھ اس نگہبان کے سائے تلے رخصت ہوئی۔ جو ہمیشہ سے ہمارا اپنا ہے۔ ہمدرد ہے اور مجھے یقین ہے۔ وہ اس باغ کی رکھوالی اسی طرح کرے گا۔ جیسے ایک ذمے دار باغبان کرتا ہے۔"

یہ کرم اس ذات بے نیاز کا ہے۔ میری کیا ہستی کہ مخالفتیں مول لے کر کوئی ایسا قدم اٹھاتی۔ جس سے میرا سر جھکا رہتا۔ ایک کمزور ہستی ہے میری۔ اور فیصلہ بڑا مضبوط تھا۔ کہیں کوئی جھول یا دراڑ نہ تھی اس میں۔ قدرت نے خود ایک سیدھا اور سچا راستہ چنا اور مجھے اس راہ پر ڈال دیا۔ یہ تو انعام ہے رب غفور کا۔ مجھے افتخار جیسا باعزم داماد ملا اور تمہیں ربیعہ جیسی حیادار اور خوددار لڑکی۔ رب کریم کا انعام ہے یہ۔

ہم اس کرم کے قابل نہ تھے۔ مگر وہ نوازنے والا ہے۔ انعام و اکرام کی بارش میں کہیں تم راستے سے نہ بھٹک جانا بیٹے۔ اس بچی کے مبارک قدم اس گھر میں آئے ہیں۔ تو گھر کی ویرانی، سناٹا اور تاریکی اس طرح دور ہو گئی ہے۔ جیسے چاند پر سے گہن۔ شکر ہے میرے پروردگار کا۔

"کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔"

اماں کے چہرے پر سکون ہی سکون تھا۔

وہ زنیرہ کے نام کر دیا جائے۔ کوئی بھائی نہ ہونے کی وجہ سے یہ گھر دونوں بہنوں کو مل گیا تھا۔ اب چچی اماں کی خواہش نے۔ بلکہ شرط نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ شہود کو بھلا کیا کمی تھی۔ زنیرہ اس نامعقول مطالبے پر سخت ناراض تھی۔ اس نے شہود سے کچھ بھی کہنے یا جواب طلبی سے گریز کی پالیسی اختیار کر لی۔ یوں بھی وہ خود کبھی فون نہیں کرتی تھی۔ شہود نے اپنا فون نمبر دیا بھی نہیں تھا۔ مگر وہ کہیں نہ کہیں سے لیا جا سکتا تھا۔ منصور چاہتا تھا وہ چچی اماں کے گھر سے ہی شہود کو فون کرے۔ لیکن زنیرہ نے ان لوگوں سے ملنے سے منع کر دیا تھا۔ مسرور اور منصور رشتوں کی ڈور میں الجھے ہوئے تھے۔ ایک طرف خالہ دوسری طرف چچا زاد بھائی۔

زنیرہ نے صاف کہہ دیا۔ "آپا! اس سے پہلے کہ ان کی فرمائشیں ناقابل برداشت ہو جائیں اور مثبت نتیجہ بھی نہ نکلے۔ اس سے بہتر ہے کہ اس معاملے کو ختم کروا دیں۔"

اماں نے سر پیٹ لیا اور بہن کو بہت ڈانٹا کہ یہ معاملے یوں جلد بازی میں نہیں ختم کیے جاتے۔ ہر مسئلے کا حل ہے۔ میں اظہار بھائی کو بلا کر ان سے مشورہ کروں گی۔ شہود سے بھی بات کر لینی چاہیے۔ اظہار ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کا بیٹا افتخار زنیرہ کا ہم عمر تھا اور انہوں نے افتخار کے لیے زنیرہ کو مانگا تھا۔ مگر مسرور کے والد کو بھتیجے سے بہت سی امیدیں تھیں۔ اس رشتے سے خالہ بھانجوں میں قربت بڑھنے کے بہت امکانات تھے۔ پھر روداب کو بھی شہود کے ساتھ ہی تیمور کے لیے چچی نے مانگ لیا تھا۔

گو منگنی وغیرہ تو نہیں ہوئی تھی مگر انکار کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس طرح روداب خالہ سے دور نہ ہوتی۔

"آپا! اظہار بھائی سے کچھ نہ کہیں۔ اس طرح تو میری تشہیر ہو جائے گی۔ بہتر ہے، آپ مسرور سے مشورہ لیں۔ وہ اپنے رشتے داروں سے اچھی طرح بات کر سکتا ہے۔ میں ذلت کی داستان کا کردار بننا نہیں چاہتی۔"

چچی اماں اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھیں۔ "شہود امریکہ میں ہے۔ وہ طلاق تو دے گا نہیں۔ اگر تمہاری خالہ کو کورٹ کچہری کا شوق ہے تو کر دیکھیں۔ سالوں گزر جاتے ہیں، یہ سمجھ لو۔"

"چچی اماں! کورٹ کچہری کا کیا ذکر ہے۔ مگر ایک لڑکی کو اس طرح مجبور کر کے تو کوئی مطالبہ نہیں منوایا جا سکتا۔ کیا شہود بھائی۔"

"شہود کی نہیں یہ میری شرط ہے اور شہود بھی اس کا پابند ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جہیز تو ملنا نہیں۔ تو بھی مکان ہی سہی۔ آخر ہمیں اپنی حیثیت کے مطابق بہو لینے کا حق تو ہے۔"

نکاح کوئی غلطی نہیں ہوتا۔ مگر اسے نامعقول ضد نے غلطی بنا دیا تھا۔

"چچی اماں! گھر اگر خالہ کو دے دیں۔ تو ہم کہاں جائیں گے۔ آپ کو ہمارا خیال نہیں۔" اپنی سمجھ اور رشتے کی نزاکت کے مطابق سوال کر دیا تھا مسرور نے۔

"بھئی، تم رہتے رہو۔ گھر خالی کرنے کو کون کہہ رہا ہے۔ جوان ہو دونوں بھائی مل کر پیسہ جوڑو۔ گھر بنا لو مگر نام اس پر زنیرہ کا ہو بس۔"

اماں کے ایک چچا تھے۔ بزرگ ہستی۔ وہ حج کی سعادت حاصل کر کے اماں سے ملنے آئے، زنیرہ کا معاملہ ان کے سامنے رکھا گیا۔ انہوں نے سمجھایا۔ "ابھی صبر سے کام لو۔ خاموشی سے وقت کا انتظار کرو۔ بہتر نتیجہ سامنے آئے گا۔ عجلت میں کوئی بھی فیصلہ اچھا نہیں ہوتا۔"

اور اب خاموشی کا دورانیہ خاصا لمبا ہو گیا تھا۔ اسی اثناء میں مسرور کو شمائلہ پسند آ گئی اور شمائلہ کے گھر والوں نے بھی دیر مناسب نہ جان کر شادی کا تقاضا کیا۔ شادی میں چچی اماں آئیں نہ تیمور۔ مسرور خود کارڈ دے کر آیا تھا۔

زنیرہ کو بھی جاب مل گئی تھی اور اس نے بھی خود کو مصروف کر لیا تھا۔ شمائلہ کی گھر سے بیزاری اور بے رخی کسی کو پسند نہ تھی۔ اماں مگر برداشت کر رہی

تھیں کہ ذرا اس کی طبیعت یا مزاج کے خلاف کوئی بات ہوتی۔ وہ منہ پھلا لیتی۔ کھانا چھوڑ دیتی اور میاں کے آتے ہی انہیں رپورٹ دیتی۔ مسرور آ کر اماں سے کہتے۔

"اماں! کیا بات ہے شمائلہ نے بھوک ہڑتال کی۔ تو کسی نے توجہ نہیں دی۔ خود سب نے بیٹھ کر کھانا کھا لیا۔" اماں چپ رہتیں۔ خالہ جواب دینے میں ذرا نہ ڈرتیں۔

"بھئی، ان کے مزاج برہم ہوتے ہیں تو ہم تو برہم نہیں ہوتے۔ چپ کر کے سہ لیتے ہیں اور یہاں سب سے کیا مراد ہے۔ دوپہر میں نہ منصور ہوتا ہے نہ میں روداب سہ پہر کو آتی ہے۔ اس قدر بھوک کی کچی ہے وہ۔ پھر بچی ہے اور رہ گئیں آپا تو وہ کس لیے کھانا چھوڑیں۔ یا تمہاری بیگم کے آگے پیر پکڑ کر ہاتھ جوڑیں تب تم خوش ہو گے۔"

مسرور شرمندہ ہو جاتا۔ "آپ کو پتا ہے، غصے میں مزاج برہم ہی ہوتا ہے۔"

"نہ ہمیں نہیں پتہ نہ ہمیں بھوک مارنے کی پریکٹس ہے۔ نہ مزاج دکھانے کی۔"

مسرور بھی رفتہ رفتہ شمائلہ کے نخروں سے واقف ہو گیا تھا۔ شمائلہ کو مسرور کی پسندیدہ ہونے پر ناز تھا۔

کچن میں منصور مصروف تھا۔ روداب ہاتھ میں ربن پکڑے آئی۔ "ہیں؟ اماں کہاں ہیں۔ منصور بھائی! آپ ناشتہ بنائیں گے؟"

"اماں کی طبیعت خراب ہے۔ ناشتہ زبردست تیار ہے۔ آملیٹ اور پراٹھا۔"

"یہ پراٹھا ہے یا ناؤ؟ توبہ یہ کس ترکیب سے کھائی جائے۔ یعنی کھایا جائے۔" روداب کی چیخ سن کر مسرور نے اندر آ کر دیکھا اور مسکرایا۔

"صبح کی چائے تو تم نے اچھی بنائی تھی۔ مگر ناشتہ۔"

"بھائی جان! آپ کے لیے تو میں نے بڑا خوب صورت گول مول گورا گورا پراٹھا بنایا ہے۔ یہ روداب کے لیے ہے براؤن ناؤ اس کا ہم شکل۔"

"روداب! اب تم اتنی چھوٹی بھی نہیں ہو کہ ناشتہ نہ بنا سکو اور یہ خالہ آخر کہاں ہیں؟" مسرور جھلا گیا تھا۔ "سویرے کیوں نہیں اٹھتیں تم؟"

"دیر رات تک پڑھتی ہے بھائی جان۔" منصور نے اس کی طرف سے صفائی پیش کی۔ "اور خالہ آفس گئیں۔"

"بھابھی بھی تو اتنی دیر تک سوتی ہیں۔" روداب بڑبڑائی اور براؤن ناؤ کو ہی غنیمت جان کر کھانے لگی۔ آملیٹ مزیدار تھا۔ مگر گورا گورا پراٹھا لوہے کے چنے چبانے سے کچھ ہی بہتر تھا۔

"کوئی توس نہیں ہے؟"

"مہینے کے آخری دنوں میں۔ اماں ڈبل روٹی کو عیاشی کہتی ہیں۔" منصور نے جتایا۔

مسرور بے دلی سے ناشتہ کر رہا تھا۔ اماں کے ہاتھ میں جو مزا تھا۔ وہ منصور کہاں سے لاتا۔ مسرور نے کمرے میں جا کر بیوی کو جگایا۔ میاں کو دیکھا جو لال آنکھیں لیے کھڑا تھا۔

"تم سے اتنا نہیں ہوتا کہ میرے لیے ناشتہ ہی بنا دیا کرو۔" وہ خفگی سے گویا ہوا۔ "منصور نے بنایا ہے ناشتہ۔ اماں کی طبیعت خراب ہے۔"

"تو کیا ہے، اسے بھی کچھ کرنے دیں۔ کمانے کا نہ دھانے کا، خالی کھانے کا۔" موڈ خراب ہو گیا۔ نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ دونوں لڑنے لگے۔ پھر وہ بکتا جھکتا باہر آ گیا۔ منصور اب برتن دھو رہا تھا۔

"یار! برتن کیوں دھونے لگے۔"

مسرور کو مردوں کو عورتوں والے کام کرتے دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ صبح کس مشکل سے اس نے تین کپ دھوئے تھے ورنہ خالہ۔

"میں نہیں دھوؤں گا تو اماں کو دھونے پڑیں گے۔"

"روداب چلی گئی؟"

"ہاں، ابھی گئی ہے۔ بھائی جان! میں آج چھٹی کر لیتا ہوں۔ اماں کو ذرا آرام مل جائے ورنہ تکلیف بڑھ جائے گی۔ میں سبزی بنا لوں گا کھانے میں۔"